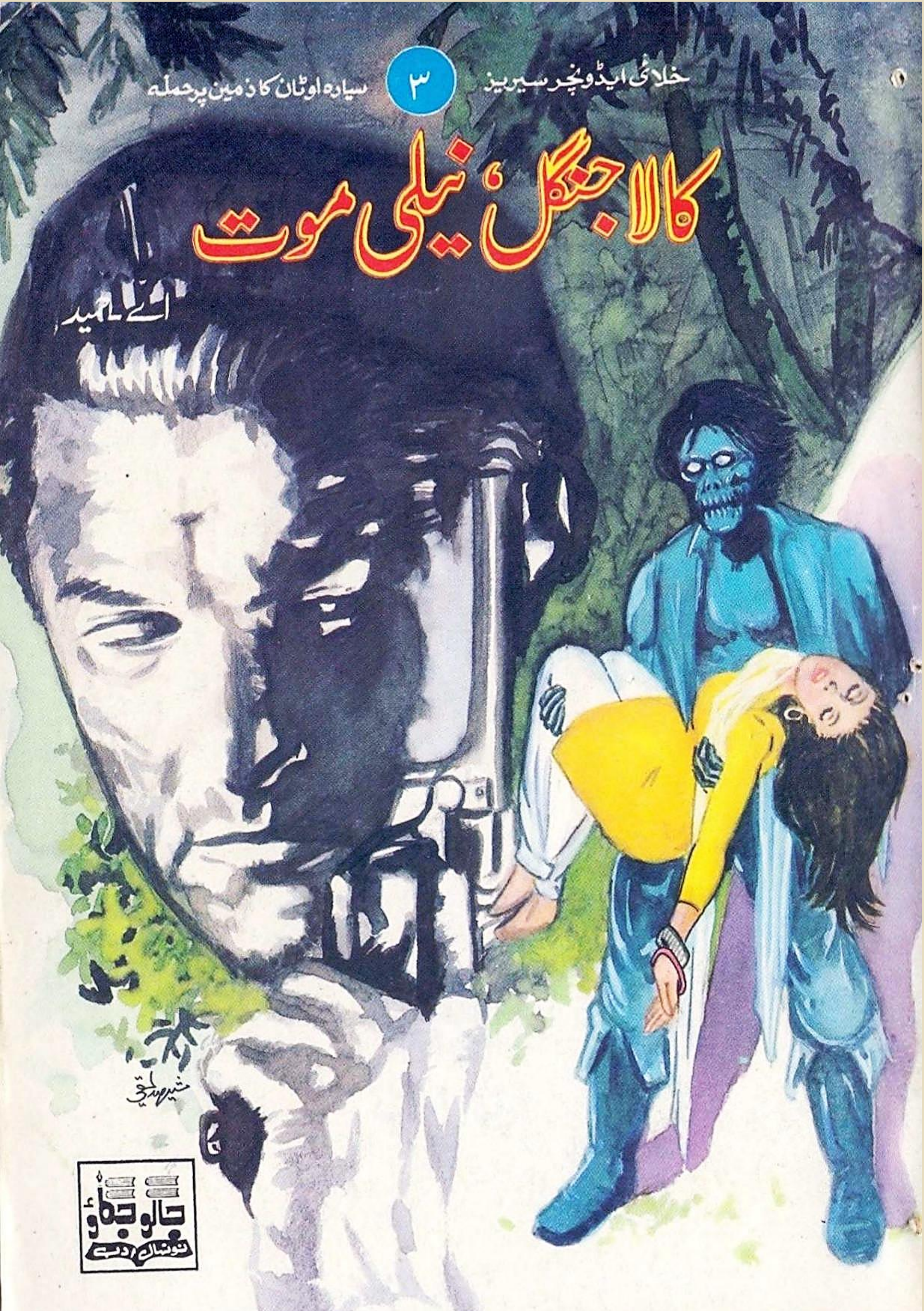

خلائی ایڈونچر سیریز
۳
سیارہ اوٹان کا زمین پر حملہ
کالا جنگل، نیلی موت
اے حمید

خلائی ایڈونچر سیریز تیسرا حصّہ

کالا جنگل، نیلی موت

اے حمید

نونہال ادب

ہمدرد فاؤنڈیشن پریس، کراچی

مجلسِ ادارت

حکیم محمد سعید

مسعود احمد برکاتی

رفیع الزّماں زبیری

ناشر : ہمدرد فاؤنڈیشن پریس، ہمدرد سنٹر ناظم آباد، کراچی

اشاعت : ۱۹۹۱

تعداد اشاعت : ۲۰۰۰

قیمت : ۱۰ روپے

نونہال ادب کی کتابیں "نہ نفع نہ نقصان" کی بنیاد پر شائع کی جاتی ہیں۔

پیش لفظ

تلاش اور جستجو انسان کی فطرت ہے۔ قرآن حکیم میں بار بار تاکید کی گئی ہے کہ اپنے چاروں طرف نگاہ ڈالو اور دیکھو اللہ تعالیٰ نے کیسی کیسی چیزیں پیدا کی ہیں۔ زمین، آسمان، چاند، سورج، ستارے اور سیّارے، پہاڑ اور دریا، چرند اور پرند، پھول اور پھل۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں ہیں۔

اللہ کی پیدا کی ہوئی چیزوں میں انسان ہی وہ مخلوق ہے جسے عقل اور سمجھ عطا کی گئی ہے۔ اُسے چیزوں کو دیکھنے، سمجھنے اور پرکھنے کی قوّت اور صلاحیت دی گئی ہے تاکہ وہ کائنات کی بے شمار چیزوں سے، جو اُسی کے لیے پیدا کی گئی ہیں، فائدہ اُٹھائے اور وہ بُلند مقام حاصل کرے جو اس کا مقدّر ہے۔ اللہ کی عطا کی ہوئی صلاحیتوں سے کام لینے کے لیے علم حاصل کرنا ضروری ہے۔

علم سائنس ہے۔ بٹن دبا کر گھروں اور شہروں کو روشن کرنے سے لے کر چاند تک پہنچنے کا گُر ہمیں سائنس ہی نے سکھایا ہے۔ ایک چھوٹا سا حقیر بیج کیسا زبردست، تناور درخت بن جاتا ہے، پھولوں میں رنگ کہاں سے آتے ہیں، انسان غذا کیسے ہضم کرتا ہے، اُس کے بدن میں خُون کیسے دوڑتا ہے، بھاری بھرکم جہاز ٹنوں وزن لے کر سمندر میں ڈوبتے کیوں نہیں، دیو پیکر طیّارے ہوا میں کیسے اُڑتے چلے جاتے ہیں۔ چاند، سورج

اور سیّارے خلا میں کیسے گردش کر رہے ہیں۔ یہ سب ہم نے سائنس ہی کے ذریعہ سے جانا ہے۔ انسان سائنس ہی کے ذریعہ سے چاند پر پہنچا ہے، اُس کے بنائے ہوئے راکٹ ہمارے نظامِ شمسی کے آخری کناروں کو چھونے والے ہیں۔

اپنی دُنیا اور اپنی دُنیا سے باہر انسان کی یہ تلاش و جستجو مسلسل جاری ہے۔ سائنس کی ترقّی اُسے دم بہ دم آ گےبڑھائے چلی جا رہی ہے۔ کل کی کہانیاں آج کی حقیقتیں بن چکی ہیں۔ سائنس فکشن انسان کی قدرت کے چھُپے ہوئے راز جاننے کی خواہش کا اظہار ہے۔ اُڑن کھٹولا ماضی کی سائنس فکشن تھا۔ آج یہ ہوائی جہاز کی شکل میں حقیقت ہے۔ جولیس ورن کی سمندر کی تہہ میں مسلسل تیرنے والی "ناٹیلس" اب ایک افسانہ نہیں ایٹمی آب روز کی شکل میں ایک زندہ حقیقت ہے۔ کون کہہ سکتا ہے آج کی سائنس فکشن کل کی حقیقت نہ بن جائے۔

جب تک انسان تلاش و جستجو کے عمل میں رہے اور علم حاصل کرتا رہے گا کہانیاں حقیقتیں بنتی رہیں گی۔

حکیم محمد سعید

پتھرائی ہوئی آنکھیں

بہرام قاتل خلائی زندہ لاش کو پھٹی پھٹی آنکھوں سے تکنے لگا۔ پھانسی کی کوٹھڑی کا آہنی جنگلا کھلا تھا۔ بہرام قاتل کے لیے فرار ہونے کا یہ سنہری موقع تھا۔ وہ اُٹھ کر دروازے کی طرف لپکا ہی تھا کہ خلائی لاش اسکالا نے اُسے پکڑ کر اپنی طرف کھینچا اور اُس کے کان میں اپنی انگلی ڈال دی۔ بہرام قاتل فوراً بے ہوش ہو کر خلائی لاش کے بازوؤں میں لٹک گیا۔ خلائی

لاش نے بے ہوش بہرام قاتل کو اپنے کاندھے پر ڈالا اور پھانسی کی کوٹھڑی میں سے باہر نکل گئی۔ احاطہ پار کر کے وہ جیل کی پچھلی دیوار کی طرف بڑھی۔ یہاں اندھیرا تھا۔ پھر لاش جیل کی دیوار کے شگاف میں سے باہر نکل کر آسیبی قبرستان کی طرف روانہ ہوئی۔

خلائی چیف طوطم اور عاطون رات کے اندھیرے اور آسیبی قبرستان کے سنّاٹے میں ٹیلے کے شگاف کے پاس کھڑے خلائی لاش کا انتظار کر رہے تھے۔ کُچھ دیر بعد اُنھیں قبرستان کے اندھیرے میں خلائی لاش قدم قدم چلتی نظر آئی۔ طوطم نے کہا:

"لاش آ رہی ہے۔ اُس نے کاندھے پر کسی آدمی کو ڈالا ہوا ہے۔"

خلائی عاطون نے دھیمی آواز میں کہا:



”یہ کوئی خطرناک قاتل ہی ہو سکتا ہے۔“

خلائی لاش اسکالا طوطم اور عاطون کے پاس آ کر رُک گئی۔ اُس کے حلق سے عجیب سی گڑگڑاہٹ کی آواز نکلی۔ عاطون نے لاش کو حُکم دیا:

”اسے نیچے ڈال کر اپنے تابوت میں واپس چلی جاؤ۔“

خلائی لاش نے بہرام قاتل کو نیچے زمین پر ڈال دے اور ایک جھٹکے سے واپس مُڑ کر آسیبی قبرستان کی طرف چلنے لگی۔ طوطم اور عاطون بے ہوش بہرام قاتل کو اُٹھا کر نیچے اپنی خُفیہ لیبارٹری میں لے گئے۔

خلائی لاش اسکالا آسیبی قبرستان کی دُھند میں چلتی اپنی قبر کے گڑھے میں اُتر کر تابوت میں لیٹ گئی۔ اس کے لیٹتے ہی تابوت کا ڈھکنا اپنے آپ بند ہو گیا۔ تابوت میں سے نیلی شعاع نکل کر قبر کے گڑھے کے باہر مٹّی کے

ڈھیر پر پڑی۔ ڈھیر کی مٹّی اپنے آپ گڑھے میں گِرنے لگی اور دیکھتے دیکھتے گڑھا بھر گیا اور وہاں قبر سی بن گئی۔

طوطم اور عاطون نے بے ہوش بہرام قاتل کو لیبارٹری میں لے جا کر اسٹریچر پر لِٹا دیا۔ عاطون نے اشارہ کیا۔ طوطم نے بہرام قاتل کے ماتھے پر ٹیپ کے ساتھ ایک تار جوڑ دیا۔ پھر پاس رکھے ہوئے کمپیوٹر کو آن کر دیا اور کی بورڈ پر انگلیاں چلانے لگا۔ کمپیوٹر کی اسکرین پر بہرام قاتل کا سارا ڈیٹا اُبھر آیا۔ عاطون اور طوطم کمپیوٹر کی اسکرین کو تک رہے تھے۔ طوطم کہہ رہا تھا: "

"اس کا نام بہرام ہے۔ اس نے بہت سے خُون کیے ہیں۔ یہ سنگ دِل قاتل ہے۔ اِسے کل پھانسی دی جاتی تھی۔"

عاطون بولا:

”ہمیں اِس قسم کے مزید قاتلوں کی ضرورت ہے۔“

طوطم نے کہا:

”اِن کا بندوبست بھی ہو جائے گا۔ اِس شہر سے نہیں ملیں گے تو ہم دوسرے شہروں، دوسرے مُلکوں سے حاصل کرلیں گے۔“

عاطون اسٹریچر کی طرف مُڑا۔

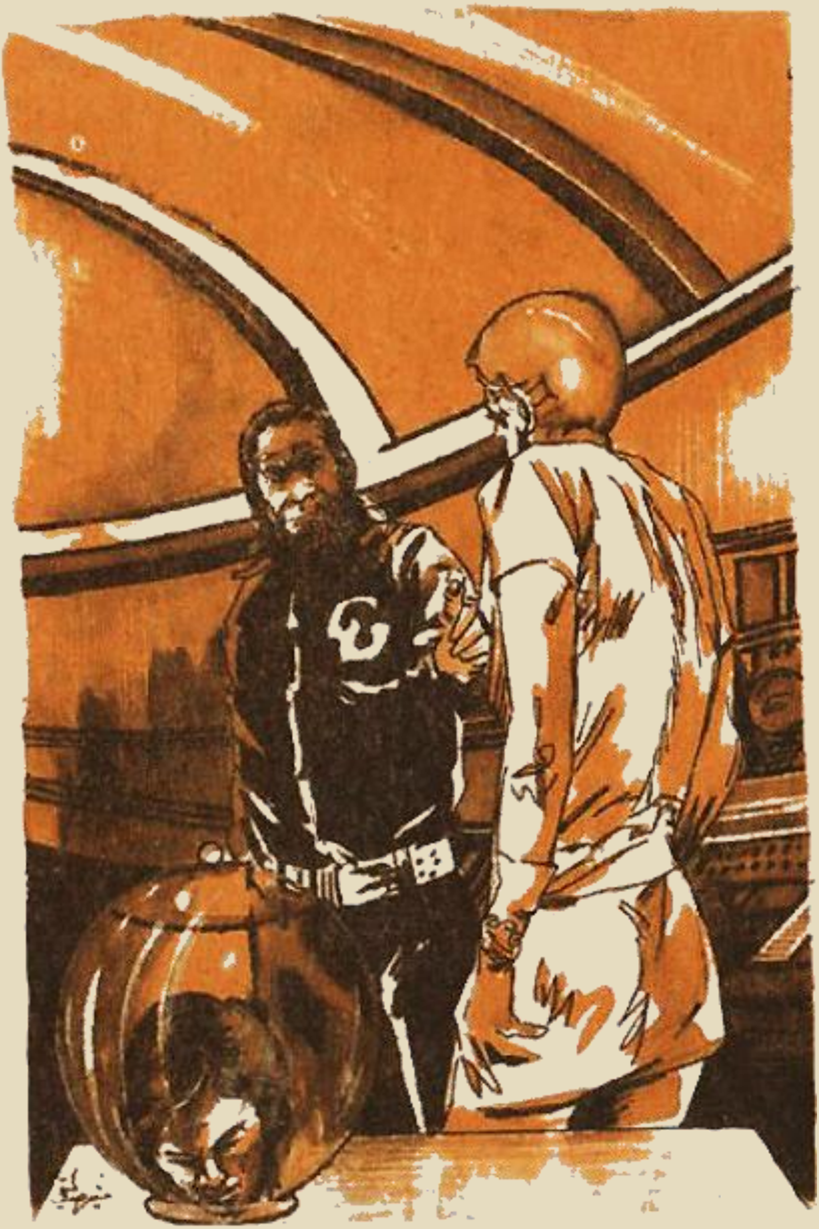
”طوطم! آپریشن شروع کرو۔ ہمیں بہرام قاتل کا سر ابھی گریٹ کنگ کے پاس اپنے سیّارے پر پہنچانا ہے۔“

طوطم نے کمپیوٹر بند کیا۔ الماری میں سے بجلی سے چلنے والی چاقو نما آری نکالی۔ بے ہوش بہرام کے سرہانے کی طرف آیا اور بہرام قاتل کی گردن پر آری رکھ کر اُس کا ننھّا سا بٹن دبا دیا۔ گھِر گھِر کی دھیمی سی آواز

لیبارٹری کی خاموش فضا میں بُلند ہوئی اور دیکھتے دیکھتے بہرام قاتل کی گردن جسم سے کٹ کر علاحدہ ہو گئی۔ اِس خلائی آری میں یہ خاص بات بھی تھی کہ گردن کے کٹنے کے ساتھ ساتھ کٹی ہوئی گردن کی رگیں بند ہوتی جا رہی تھیں۔ جس کی وجہ سے بے ہوش بہرام کے خُون کا ایک قطرہ بھی نہیں بہنے پایا تھا۔ عاطون نے بہرام قاتل کے کٹے ہوئے سر کو شیشے کے ایک گلوب میں ڈالا اور طوطم سے کہا :

"قاتل کی لاش کو مُردہ خانے میں لے جا کر بھسم کر دو۔ میں اس کا سر لے کر اپنے سیّارے پر جا رہا ہوں۔ گریٹ کنگ سے مشورہ کرنے کے بعد آ کر بتاؤں گا کہ آگے ہمیں کیا کرنا ہے۔"

عاطون بہرام قاتل کا کٹا ہوا سر لے کر ساتھ والی لیبارٹری کی طرف چلا گیا۔ جہاں اوٹان سیّارے تک پہنچانے والا شیشے کا سلنڈر کونے میں کھڑا تھا۔



دونوں خلائی آدمی بھی وہاں موجود تھے۔ عاطون کو آتا دیکھ کر ایک نے جلدی سے سلنڈر کا دروازہ کھول دیا۔ عاطون نے اُنہیں اپنی خلائی زبان میں ایک خاص نمبر بتایا اور سلنڈر میں داخل ہو کر اسٹول پر بیٹھ گیا۔ بہرام قاتل کا کٹا ہوا سر اس کی گود میں تھا۔

خلائی آدمی نے دیوار کے ساتھ لگے پینل کا نیلا بٹن دبا دیا۔ بٹن کے دبتے ہی سلنڈر نیلی دُھند سے بھر گیا۔ جب دُھند چھٹی تو سلنڈر خالی تھا۔ عاطون کٹا ہوا سر لے کر خلا میں دور ہمارے نظام شمسی سے بھی بہت دور اپنے سیّارے اوٹان پر پہنچ چکا تھا۔ طوطم نے بہرام قاتل کی لاش کو زیرِ زمین اپنے خاص مُردہ خانے میں لے جا کر المونیم ایک ٹب میں ڈال دیا۔ ٹب سے نیلی روشنی ہوئی اور لاش ایک سیکنڈ میں بھسم ہو گئی۔

صُبح ہوئی تو شہر میں یہ سنسنی خیز خبر پھیل گئی کہ جس بہرام قاتل کو آج رات

پھانسی دی جانے والی تھی وہ رات جیل توڑ کر فرار ہو گیا ہے۔ پولیس نے سارے شہر کی ناکہ بندی کر دی اور جگہ جگہ چھاپے مار کر مفرور قاتل کی تلاش شروع کر دی۔ کسی کو خبر نہیں تھی کہ اس دُنیا میں اب بہرام قاتل کا کوئی وجود باقی نہیں ہے۔ یہ خبر شیبا اور عمران نے بھی سُنی۔ اُنہوں نے اسے کوئی اہمیت نہ دی۔ عمران کی کمر کا زخم آہستہ آہستہ اچھّا ہو رہا تھا۔ شیبا سرجن ڈاکٹر کے کلینک میں عمران کے پلنگ کے پاس بیٹھی اس سے باتیں کر رہی تھی۔ عمران کہنے لگا:

"دو تین دِن میں میرا زخم بالکل ٹھیک ہو جائے گا اور چلنے پھرنے کے قابل ہو جاؤں گا۔"

شیبا نے فکرمندی کے ساتھ کہا:

"مگر تمہیں ابھی گھر سے باہر نہیں نکلنا چاہیے عمران! مُجھے یقین ہے کہ

خلائی مخلوق تمھاری تلاش میں ہو گی۔ تُم اپنے گھر گئے تو وہ تمھیں اپنے کنٹرول میں کرے گی۔"

عمران پر جوش لہجے میں بولا:

"تمھارا خیال ہے کہ مُجھے عورتوں کی طرح گھر میں بیٹھ جانا چاہیے؟ نہیں شیبا! ہمارے سامنے بہت بڑا مشن ہے خلائی مخلوق ہمارے ملک اور ہماری خوب صورت دُنیا کو تباہ کرنے کا منصوبہ لے کر یہاں اُتری ہے اور ہم اُنھیں اُن کے ناپاک عزائم میں نہ صرف کامیاب نہیں ہونے دیں گے بلکہ اُنھیں اپنی زمین پر ہی ہمیشہ کے لیے ختم کر دیں گے۔"

شیبا نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ جانتی تھی کہ عمران صرف ایک بہادر لڑکا ہی نہیں ہے بلکہ اُسے اللہ پر پورا بھروسا ہے اور سوائے اللہ کے وہ کسی سے نہیں ڈرتا اور ایک بار وہ جو فیصلہ کر لے اس سے پیچھے نہیں ہٹتا۔ شیبا کا بھی

نہیں عزم تھا۔ وہ بھی اپنی زمین کو خلائی مخلوق کے ناپاک قدموں سے پاک کرنا چاہتی تھی۔ مگر حالات بڑے نازک صورت اختیار کر چکے تھے۔ خلائی مخلوق نے عمران کی کمر میں جو خلائی کیپسول لگایا تھا وہ ضائع کر دیا گیا تھا۔ اس کے سگنل آنا بند ہو گئے تھے۔ اس سے صاف ظاہر تھا کہ خلائی مخلوق بے چینی سے عمران کی تلاش میں ہو گی اور یہ بھی ممکن تھا کہ وہ شیبا کے بھی پیچھے لگی ہو۔ اس لیے شیبا بڑی احتیاط سے کام لے رہی تھی اور وہ نہیں چاہتی تھی کہ عمران صحت یاب ہونے کے بعد ابھی اپنے گھر واپس جائے۔ اس نے سرجن حمید اور پروفیسر رضوی سے بات کر لی تھی۔ اُنھوں نے یہی فیصلہ کیا تھا کہ عمران کو ابھی کُچھ دِن کلینک میں ہی رکھا جائے گا۔ شیبا یہ کہ کر چلی گئی کہ وہ شام کو آئے گی۔ اس کے جانے کے بعد عمران سوچنے لگا کہ آسیبی قبرستان والی خلائی مخلوق کی کمیں گاہ کو اڑانے

کے لیے کس ترکیب پر عمل کرنا مناسب رہے گا۔

دوسری طرف شام کو خلائی عاطون اپنے سیّارے سے واپس آگیا۔ وہ اپنے ساتھ اوٹان سیّارے کے حاکم گریٹ کنگ کا خاص حُکم لایا تھا۔ حُکم یہ تھا کہ سب سے پہلے شہر کی سب سے قابل خاتون سائنس داں ڈاکٹر سلطانہ کو اغوا کر کے اپنے سیّارے پر بھیجا جائے اور اس کے بعد شیبا اور عمران کو اپنے قابو میں کیا جائے۔ زیر زمین خلائی لیبارٹری میں آتے ہی عاطون نے طوطم کو گریٹ کنگ کا حُکم سنایا اور کہا :

”خلائی لاش اسکالا میں ڈاکٹر سلطانہ کا ڈیٹا اور سارا پروگرام فیڈ کرو۔ اُسے اپنی مُہم پر آج رات ہی روانہ کرنا ہو گا۔ میں صُبح ہونے سے پہلے اس شہر کی سائنس داں عورت ڈاکٹر سلطانہ کو ساتھ لے کر اپنے سیّارے میں پہنچنا چاہتا ہوں۔ کیوں کہ وہاں وائرس کی بیماری بڑھتی جا رہی ہے۔“

طوطم نے آہستہ سے سر جھُکا کر کہا :

"گریٹ عاطون !ایسا ہی ہوگا۔ لاش اپنے مشن پر آج رات روانہ ہوجائے گی۔"

عاطون نے پوچھا :

"کیا ڈاکٹر سلطانہ اسی شہر میں ہے؟ کہیں وہ کسی دوسرے شہر تو نہیں گئی ہوئی ہے؟"

طوطم بولا :

"یہ میں معلوم کر چکا ہوں۔ سائنس داں لیڈی ڈاکٹر اسی شہر میں ہے اور آدھی رات کو وہ اپنی کوٹھی میں ہی ہوگی جو شہر سے تھوڑی دُور سمندر کے کنارے پر واقع ہے۔"

ٹھیک ہے" عاطون بولا۔ "شام ہو چکی ہے۔ ذرا اندھیرا ہو جائے تو لاش کو قبرستان سے لیبارٹری میں لے آؤ اور ڈاکٹر سلطانہ کا ڈیٹا اس میں فیڈ کر دو تاکہ صُبح ہونے سے پہلے پہلے لاش ڈاکٹر سلطانہ کو اُٹھا کر ہمارے پاس لے آئے۔"

"او کے سر!"

یہ کہ کر طوطم کمپیوٹر کے سامنے بیٹھ گیا اور ڈاکٹر سلطانہ کے ڈیٹا کی پروگرامنگ کرنے لگا۔ چند لمحوں میں اُس نے ناخن کے برابر ایک ڈسک تیّار کرلی، جس میں ڈاکٹر سلطانہ کی شکل، اس کی کوٹھی کا پتا اور اس کے خون کا گروپ سب کچُھ موجود تھا۔

جب ذرا اندھیرا گھرا ہوا تو طوطم نے کمپیوٹر کا چینل بدلا اور خلائی لاش اسکالا کی ڈسک چڑھا کر ایک بٹن دبایا۔ کمپیوٹر کی اسکرین پر قبرستان میں اس قبر کی

تصویر اُبھر آئی جس میں خلائی لاش کا تابوت بند تھا۔ طوطم نے دوسرا بٹن دبایا تو قبر میں اپنے آپ آہستہ آہستہ سوراخ ہونے لگا۔ سوراخ بڑا ہوتا گیا اور پھر وہاں ایک شگاف پیدا ہو گیا۔ اب شگاف میں سے تابوت صاف نظر آ رہا تھا۔ طوطم نے کمپیوٹر کی بورڈ کا ایک سُرخ بٹن دبایا تو تابوت کا ڈھکنا اوپر اُٹھتا چلا گیا۔ جب ڈھکنا پورا اوپر اُٹھ گیا تو اس کے اندر سے لاش نکل کر قبر کے شگاف سے باہر آ گئی۔ طوطم نے اوپر تلے دو تین بٹن دبائے اور خلائی لاش نے زمین روز لیبارٹری کے شگاف کی طرف چلنا شروع کر دیا۔ طوطم اُٹھ کر نیم روشن غار میں سے گزرتا ہوا اس کے شگاف میں آ کر ایک طرف رُک گیا۔

تھوڑی ہی دیر میں خلائی لاش رات کی تاریکی میں اُبھری۔ وہ آہستہ آہستہ قدم اُٹھاتی طوطم کی طرف چلی آ رہی تھی۔ طوطم ایک طرف ہٹ گیا۔ لاش

شگاف میں اتر کر غار میں آ گئی۔ طوطم اس کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا۔ لاش کو معلوم تھا کہ اُسے کہاں جانا ہے۔ وہ لیبارٹری نمبر ۲ باہر جانے والی سڑک کے کنارے درختوں کے نیچے آگے بڑھ رہی تھی۔

اس وقت شہر کی بلکہ مُلک کی مشہور اور لائق سائنس دان ڈاکٹر سُلطانہ اپنی کوٹھی کے بیڈ روم میں پلنگ سے ٹیک لگائے، ٹیبل لیمپ کی روشنی میں فزکس کی ایک نئی کتاب پڑھ رہی جو ایک دِن پہلے اُسے کینیڈا کی ایک یونیورسٹی نے بھیجی تھی۔ رات کے گیارہ بج چکے تھے۔ بیڈ روم کی کھڑکی تھی۔ کھڑکی میں لوہے کی سلاخیں لگی ہوئی تھیں۔ باہر گہری خاموشی چھائی تھی اور سمندر کی مرطوب ہوا کے جھونکے کمرے میں آرہے تھے۔ ڈاکٹر سُلطانہ کی عمر پچاس کے قریب تھی۔ وہ ساری زندگی تعلیم حاصل کرنے میں اتنی مصروف رہی تھی کہ اُسے شادی کرنے کے لیے وقت ہی نہیں ملا

تھا۔ اب سائنس ہی اس کی زندگی تھی اور وہ دِن رات اپنے ملک کے ایک بڑے اہم پراجیکٹ پر کام کر رہی تھی۔ جس کے تحت ایک مصنوعی سیّارہ خلا میں بھیجا جانے والا تھا۔ ڈاکٹر سُلطانہ کا ایک بُوڑھا ملازم تھا جو اُس کے لئے کھانا وغیرہ بھی پکاتا اور کوٹھی کی جھاڑ پونچھ بھی کرتا تھا۔ یہ ملازم اپنے چھوٹے سے کوارٹر میں گہری نیند سو رہا تھا۔

رات خاموش اور پر سکون تھی۔ کھڑکی میں سے ٹھنڈی ٹھنڈی سمندری ہوا آ رہی تھی۔ ڈاکٹر سُلطانہ کو کتاب پڑھتے پڑھتے اونگھ آ گئی۔ کتاب اس کے ہاتھ سے ایک طرف لڑھک گئی اور وہ سو گئی۔ رات کو اکثر وہ اسی طرح پڑھتے پڑھتے سو جاتی تھی۔ اسے سوئے تھوڑی دیر ہی گزری ہو گی کہ کوٹھی کے برآمدے میں کسی کے بھاری قدموں کی آہٹ سُنائی دی۔ خلائی لاش کوٹھی میں داخل ہو چکی تھی۔ اُس کا رُخ ڈاکٹر سُلطانہ کے بیڈ روم کی طرف

تھا۔ ڈاکٹر سُلطانہ کا بیڈروم اس چھوٹی سی کوٹھی کے سمندر والے کو لے میں تھا۔ بیڈروم کا دروازہ اندر سے لاک تھا۔ ڈاکٹر سُلطانہ رات کو ہمیشہ اپنے بیڈروم میں قُفل لگا کر سوتی تھی۔

بیڈروم کی کھڑکی کا پردہ ایک طرف ہٹا ہوا تھا۔ خلائی لاش کھڑکی میں آ کر کھڑی ہو گئی۔ اس کی پتھرائی ہوئی آنکھیں گہری نیند سوئی ہوئی ڈاکٹر سُلطانہ پر جمی تھیں۔ لاش کے حلق سے ہلکی سی غرّاہٹ نما آواز نکلی۔ پھر لاش نے کھڑکی کی سلاخوں کو ایک ہی جھٹکے سے اُکھاڑ کر نیچے پھینک دیا اور کھڑکی کے راستے بیڈروم میں داخل ہو گئی۔ ڈاکٹر سُلطانہ کے سرہانے ٹیبل لیمپ ابھی تک جل رہا تھا۔ ڈاکٹر سُلطانہ گہری نیند سو رہی تھی۔ کتاب بستر پر ایک طرف لڑھک گئی تھی۔ خلائی لاش اسکالا نے کُچھ دیر سُلطانہ کو گھور کر دیکھا پھر اپنا سیدھا ہاتھ آگے بڑھایا اور اپنی انگلی ڈاکٹر سُلطانہ نے کان پر رکھ

دی۔ اس انگلی کے شدید الیکٹرانک اثر سے ڈاکٹر سُلطانہ کے جسم نے ایک جھرجھری سی لی اور پھر وہ بے ہوش ہو چکی تھی۔ خلائی لاش نے ڈاکٹر سُلطانہ کو اٹھا کر اپنے کاندھے پر ڈالا۔ واپس گھومی۔ کھڑکی میں سے نکل کر کوٹھی کے عقبی باغیچے میں آئی اور آہستہ آہستہ اندھیرے میں گُم ہو گئی۔

زیرِ زمین لیبارٹری کے شگاف نما دروازے پر خلائی چیف طوطم اور عاطون خلائی لاش کی راہ دیکھ رہے تھے۔ اُن کے سامنے آسیبی قبرستان پر موت کا سنّاٹا چھایا ہوا تھا۔ وہ دونوں خاموش تھے۔ پھر اُنھوں نے ایک بلند قامت انسانی سائے کو ٹیلے کی طرف بڑھتے دیکھا۔ طوطم نے آہستہ سے کہا :

"سر! اسکالا کی لاش آ گئی ہے۔"

وہ غار میں جانے والے راستے سے ہٹ گئے۔ خلائی لاش نے ڈاکٹر

سُلطانہ کو غار کے اندر لا کر زمین پر ڈال دیا۔ طوطم اور عاطون ڈاکٹر سُلطانہ کو اُٹھا کر اُس کمرے میں لے گئے جہاں شیشے کا خلائی سلنڈر کونے میں رکھا ہوا تھا۔ طوطم نے کمپیوٹر کنٹرول کی مدد سے لاش کو واپس آسیبی قبرستان میں پہنچا دیا جہاں خلائی لاش تابوت میں لیٹ گئی۔ ڈھکنا اوپر سے بند ہو گیا اور قبر کی اپنے آپ ڈھیری بن گئی۔

عاطون اسٹریچر پر بے ہوش پڑی ڈاکٹر سُلطانہ کو جھک کر بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔ پھر اُس نے طوطم کو اشارہ کیا اور وہ ڈاکٹر سُلطانہ کو اُٹھا کر سلنڈر میں لے گئے۔ اسے اسٹول کے ساتھ باندھ کر بٹھا دیا گیا۔ پینل پر اپنے سیّارے اوٹان کی فریکونسی ملائی گئی۔ عاطون بھی دوسرے اسٹول پر جا کر بیٹھ گیا۔ وہ ڈاکٹر سُلطانہ کو اپنے سیّارے میں لے جا کر خود گریٹ کنگ کے سامنے پیش کرنا چاہتا تھا۔ عاطون نے سلنڈر کے اندر سے اشارہ کیا۔

خلائی آدمیوں میں سے ایک نے خاص بٹن دبا دیا۔ سلنڈر میں زبردست روشنی چمکی، روشنی غائب ہوئی تو سلنڈر خالی پڑا تھا۔ ڈاکٹر سُلطانہ اور عاطون کے جسموں کے ایٹم ذرّات بن کر روشنی کی رفتار سے بھی تیز رفتار کے ساتھ ہمارے نظامِ شمسی سے باہر ایک دور دراز نظامِ شمسی کے سیّارے اوٹان کی لیبارٹری میں پہنچ چکے تھے۔

اِس کام سے فارغ ہوتے ہی طوطم نے اپنے ساتھی خلائی آدمیوں سے کہا:

"اِس ڈاکٹر عورت کے ہمارے سیّارے پر جانے سے خلائی وائرس کی بیماری کا خاتمہ ہو جائے گا۔ لیکن ابھی ہمیں اِس دُنیا کو ختم کرنا ہے۔ مگر اِسے تباہ کرنے سے پہلے یہاں کی کُچھ قابل عورتوں اور مردوں کو اغوا کر کے ہمیں اوپر لے جانا ہو گا۔ لیکن سب سے پہلے شیبا اور عمران کو اپنے

قابو میں کرنا ہے۔"

خلائی آدمی نے کہا :

"طوطم چیف! عاطون نے حُکم دیا تھا کہ شیبا کو جنوبی امریکا کے گُم شدہ ویران شہر میں واقع اپنے خُفیہ خلائی ٹھکانے پہنچانا ہے۔ کیا ہمیں ایسا ہی کرنا ہو گا؟"

طوطم بولا :

"ہاں ہمیں ایسا ہی کرنا ہو گا۔ شیبا کو ہمیں جنوبی امریکا کے گُم شدہ ویران شہر والی خلائی کمیں گاہ میں پہنچانا ہو گا۔ یہ گریٹ کنگ کا بھی حُکم ہے۔ مگر عمران کو ہمیں اپنے مقصد کے لیے استعمال کرنا ہو گا۔ کل رات خلائی لاش اسکالا شیبا کو اغوا کر کے اُسے یہاں لائے گی۔ اس کے بعد ہم عمران

کو اغوا کریں گے۔"

دوسرا خلائی آدمی کہنے لگا : "طوطم چیف! میں نے اپنی کمیں گاہ کے باہر ٹیلے کی جھاڑیوں میں ایک کالے سانپ کو اکثر پھرتے دیکھا ہے۔"

"تو اِس میں حیرانی کی کونسی بات ہے؟" طوطم نے کہا۔

خلائی آدمی بولا :

"طوطم چیف! مُجھے لگتا ہے کہ اِس کالے سانپ کا تعلّق کسی دوسری مخلوق سے ہے۔"

طوطم چیف نے گھور کر اپنے خلائی ساتھی کی طرف دیکھا اور کہا :

"اس دُنیا میں ہمارے سوا دوسری کوئی خلائی مخلوق نہیں ہے۔ اب اگر وہ کالا سانپ نظر آئے تو اُسے اپنی خلائی گن کے فائر سے بھسم کر دینا۔"

”او کے چیف!“

رات گزر گئی۔ دوسرے دِن مُلک کی نامور سائنس داں خاتون ڈاکٹر سُلطانہ کے غائب ہونے کی خبر سارے شہر میں پھیل گئی۔ عمران اور شیبا کو اس کا علم ہوا تو وہ یہی سمجھے کہ ڈاکٹر سُلطانہ اپنی مرضی سے کسی جگہ چلی گئی ہو گی۔ اُن کے وہم میں بھی یہ خیال نہیں آ سکتا تھا کہ خلائی مخلوق نے خلائی لاش کے ذریعہ سے اُسے اغوا کرایا ہے۔ کیوں کہ خلائی لاش کو کسی نے نہیں دیکھا تھا۔ ڈاکٹر سُلطانہ کی تلاش شروع ہو گئی۔ عمران ابھی تک سرجن حمید کے کلینک میں ہی تھا۔ اسے دو دِن بعد وہاں سے صحت مند ہو کر واپس جانا تھا۔

شیبا صُبح کالج گئی۔ وہاں سے عمران کے پاس کلینک آ گئی۔ کُچھ دیر بیٹھی ڈاکٹر سُلطانہ کی گُمشدگی پر باتیں کرتی رہی پھر دوسرے دِن آنے کا کہ کر وہ

اپنے گھر کی طرف چل دی۔ رات کو اس نے اپنے ڈیڈی ممّی کے ساتھ کھانا کھایا اور اپنے کمرے میں لیٹ کر سوچنے لگی کہ ڈاکٹر سُلطانہ اگر اپنی مرضی سے کہیں گئی ہے تو پھر اُس کے بیڈروم کی کھڑکی کی سلاخیں کیوں اُکھڑی ہوئی تھیں۔ کسی چور ڈاکو کو کیا ضرورت پڑی تھی کہ وہ ڈاکٹر سُلطانہ کو اغوا کرتا۔ تو پھر ڈاکٹر سُلطانہ کہاں گئی اور کھڑکی کی سلاخیں کس نے اُکھاڑیں تھیں۔ ڈاکٹر سُلطانہ کے گھر سے کوئی چیز چوری بھی نہیں ہوئی تھی۔ شیبا کا ذہن یہ سوچتے سوچتے تھک گیا۔ اُس نے بتی بُجھائی اور چادر اوپر کر کے آنکھیں بند کرلیں۔ اِس کے بعد وہ سو گئی۔ جب اُس کے کمرے میں میز پر رکھے ٹائم پیس نے رات کا ایک بجایا تو خلائی لاش بڑی احتیاط سے زینہ چڑھتی شیبا کے کمرے کی طرف بڑھ رہی تھی۔

شیبا کی چیخ

شیبا کا کمرا بند تھا۔ اندر سے چٹخنی لگی چٹخنی لگی ہوئی تھی۔

بند دروازے کے پاس کھڑے ہو کر خلائی لاش نے اُسے دونوں ہاتھوں سے دھکیلا۔ ایک کھڑکھڑاہٹ کی آواز کے ساتھ دروازہ ٹوٹ کر گِر پڑا۔ شیبا کی آنکھ کھُل گئی۔ کھڑکی میں سے آتی روشنی میں اُس نے ایک ڈراؤنی لاش نما چیز کو اپنی طرف بڑھتے دیکھا تو اس کی چیخ نکل گئی۔ خلائی لاش نے



شیبا کو وہیں دبوچ لیا اور اِس سے پہلے کہ شیبا اُس کی مضبُوط گرفت سے نکلنے کی کوشش کرتی لاش نے شیبا کے کان میں انگلی ڈال کر اسے بے ہوش کر دیا تھا۔

شیبا کی چیخ اور دروازہ ٹوٹنے کی آواز سے شیبا کے ڈیڈی ممّی اور نوکر جاگ پڑے۔ وہ اُس کے کمرے کی طرف دوڑے۔ لاش شیبا کو کاندھے پر ڈالے بڑے اطمینان سے سیڑھیاں اُتر رہی تھی۔ شیبا کی ممّی تو خلائی لاش کو دیکھتے ہی غش کھا کر گِر پڑیں۔ شیبا کے ڈیڈی نے شور مچا دیا اور نوکر بھی وہاں آ گئے۔ وہ لاش کی طرف بڑھے۔ لاش رُک گئی۔ اُس کے حلق سے غضب ناک گڑگڑاہٹ کی آواز نکلی۔

ایک نوکر ڈر کر بھاگ گیا۔ دوسرے نے لاش کو پکڑنے کی کوشش کی۔ خلائی لاش نے اُسے گردن سے پکڑ کر فرش سے پانچ فیٹ اوپر اُٹھایا اور

زور سے نیچے پٹخ دیا۔ اُس کی کمر کی ہڈّی ٹوٹ گئی۔

شیبا کے ڈیڈی اتنے میں دوڑ کر کمرے سے اپنا پستول لے آئے۔ اُنہوں نے اپنی بیٹی کو بچاتے ہوئے خلائی لاش پر فائر کر دیا۔ اوپر تلے چار گولیاں خلائی لاش کے پیٹ میں لگیں اور دوسری طرف نکل گئیں۔ مگر لاش پر کوئی اثر نہ ہوا۔ وہ آگے بڑھتی گئی۔ شیبا کے ڈیڈی نے لاش کے سر کا نشانہ لے کر فائر کیا۔ گولی لاش کی کھوپڑی میں سے گُزر گئی، لیکن لاش کو کُچھ بھی محسوس نہ ہوا۔ شیبا کے ڈیڈی گھبرا کر پیچھے ہٹے۔ لاش نے لپک کر اُن کو اُٹھایا اور کھڑکی میں سے باہر برآمدے میں پھینک دیا۔ خلائی لاش بے ہوش شیبا کو لے کر اب کوٹھی کے لان میں سے گُزر رہی تھی۔

دوسرے نوکر نے ساتھ والی کوٹھی میں لوگوں کو اُٹھا دیا تھا، مگر خلائی لاش کی شکل دیکھ کر سب خوف زدہ ہو گئے تھے۔ کوئی آگے نہیں بڑھ رہا تھا۔

پھر بھی وہاں شور مچ گیا تھا۔ کسی نے پولیس کو فون کر دیا۔ پولیس جیپ لے کر شیبا کی کوٹھی کی طرف دوڑی۔

خُفیہ خلائی لیبارٹری میں طوطم اپنے کمپیوٹر کی اسکرین پر لکیروں اور نقطوں کی شکل میں یہ سارا منظر دیکھ رہا تھا۔ جب اُس نے دیکھا کہ پولیس آ رہی ہے تو اُس نے لاش کو سگنل دیا۔

"جیسے بھی ہو شیبا کو لے کر یہاں سے نکل جاؤ۔ جلدی کرو"

لاش کو سگنل ملا تو اُس نے غُرّا کر دائیں بائیں دیکھا۔ چھوٹی سی سڑک کی روشنی میں لوگ کوٹھیوں کی دیواروں سے لگے اُس کی طرف سہمی ہوئی نظروں سے تک رہے تھے۔ کسی کو آگے آنے کی ہمّت نہیں ہو رہی تھی۔ دور سے پولیس کی جیپ کے سائرن کی آواز آنے لگی۔ آواز قریب آ رہی تھی۔ خلائی لاش سڑک سے ہٹ کر درختوں میں سے تیز تیز قدم اُٹھاتی

شہر سے باہر جاتی بڑی سڑک پر آگئی۔ یہاں سڑک کے کنارے فُٹ پاتھ پر ایک مین ہول تھا۔ لاش نے مین ہول کا ڈھکنا اُٹھایا اور اس میں اُتر گئی۔ اُترنے کے بعد لاش نے مین ہول کا ڈھکنا دوبارہ اوپر رکھ دیا۔

خلائی لاش اب شہر کے نیچے سب سے بڑے گٹر میں تھی۔ یہ اتنا بڑا گٹر تھا کہ اُس کے دونوں جانب چھوٹے چھوٹے فُٹ پاتھ بنے ہوئے تھے۔ بیچ میں شہر کا گندا پانی بہہ رہا تھا جو زمین کے نیچے ہی نیچے سمندر کی طرف جاتا تھا۔ خلائی لاش گٹر کے فُٹ پاتھ پر چلنے لگی۔ اب خُفیہ خلائی لیبارٹری کے سگنل لاش کی راہ نمائی کر رہے تھے۔ یہ سگنل طوطم اُسے بھیج رہا تھا۔ بے ہوش شیبا خلائی لاش کے کاندھے پر پڑی تھی اور اس کے بازو نیچے لٹک رہے تھے۔

خلائی لاش گٹر میں سے گزرتی ہوئی سمندر کے کنارے پر نکل آئی۔ یہاں

سے اُس نے اپنا رُخ بائیں جانب والی چٹّانوں کی طرف پھیر لیا۔ ان چٹّانوں کے پیچھے ایک کشادہ ویران میدان تھا جہاں رات کا اندھیرا چھایا تھا۔ خلائی لاش نے یہ میدان بھی پار کر لیا۔ اُسے خلائی سگنل راستہ دِکھا رہے تھے۔ آدھے گھنٹے بعد خلائی لاش خلائی لیبارٹری کے غار کے دروازے پر موجود تھی۔ طوطم نے اپنے دونوں خلائی ساتھیوں کی مدد سے بے ہوش شیبا کو اپنے قبضے میں کیا۔ خلائی لاش بالکل سیدھی کھڑی تھی۔ طوطم نے اُس کی کھوپڑی اور پیٹ کو دیکھا جہاں گولیوں نے سوراخ کر دیے تھے۔ طوطم نے لاش سے کہا:

"اسکالا! صُبح تک یہ سوراخ اپنے آپ بند ہو جائیں گے۔"

پھر اُسے اپنے تابوت میں واپس جانے کا حُکم دیا۔ خلائی لاش حُکم سُنتے آسیبی قبرستان کی طرف چل پڑی۔ طوطم چیف شیبا کو اسٹریچر پر ڈال کر

خلائی سلنڈر والی لیبارٹری میں لے آیا۔ دونوں خلائی آدمی اُس کے ساتھ تھے۔ اُنھوں نے شیبا کو سلنڈر میں اسٹول پر بِٹھا دیا۔ طوطم چیف نے فوراً کمپیوٹر کھولا اور جنوبی امریکا کے گُم شدہ ویران شہر کی دوسری خُفیہ لیبارٹری سے رابطہ قائم کیا۔ گُم شدہ ویران شہر کی لیبارٹری میں اِسی خلائی مخلوق کے سات خلائی آدمی موجود تھے۔ اُن کا چیف ایک خلائی سائنس داں شوگن تھا۔ شوگن نے سگنل کی زبان میں پوچھا کہ قاتل مشن میں دیر کیوں کی جا رہی ہے۔ طوطم نے سگنل میں جواب دیا:

"ہمارا خلائی قاتل مشن شروع ہو چکا ہے۔ اس دُنیا کی سب سے مشہور سائنس داں ڈاکٹر سُلطانہ اس وقت ہمارے خلائی سیّارے میں ہے اور ایک اہم ترین جاسوس لڑکی شیبا کو ہم تمہارے پاس بھیج رہے ہیں۔ اِس کے بعد ہم اپنی پسند کے آدمیوں اور عورتوں کو شہروں سے اغوا کر کے

اپنے سیّارے پر پہنچانا شروع کر دیں گے۔ اس کے بعد ہم بحیرہ روم کے ویران سمندری جزیرے میں خلائی بم نصب کر دیں گے.جس کے پھٹنے سے اِس دُنیا کے تمام سمندروں کا پانی بھاپ بن کر اُڑ جائے گا اور اس کی کھولتی گرم بھاپ میں دُنیا کی ساری مخلوق ختم ہو جائے گی۔"

دوسری طرف سے خلائی شوگن سے خلائی شوگن کا سگنل آیا:

"پھر ہم اِس دُنیا میں آ کر قبضہ کر لیں گے اور یہاں اپنی مرضی سے حکومت کریں گے اور اس زمینی سیّارے کو اپنے ماحول کے سانچے میں ڈھال لیں گے۔"

طوطم نے جوابی سگنل دیا:

"اِس وقت تُم جاسوس لڑکی شیبا کو مُجھ سے وصول کرو۔"

سگنل آیا۔ "میں شیبا کو وصول کرنے کے لیے تیّار ہوں۔"

طوطم نے سگنل دیا:

"یہ بڑی چالاک اور خطرناک لڑکی ہے۔ اِس کو گُم شدہ شہر سب سے گہرے اور زمین کے نیچے بنے ہوئے تہہ خانے میں رکھنا۔ یہ عاطون کا حُکم ہے۔ وہ خود تمہارے پاس آ کر اِس لڑکی کا برین واش کر کے اِسے اپنے کنٹرول میں کرے گا۔"

"او کے طوطم! میں تیّار ہوں۔ شیبا کو بھیجو۔"

اور شوگن نے سگنل بند کر دیے۔ طوطم نے کمپیوٹر پر ایک خاص فریکونسی ملائی۔ پھر دوسرے پینل پر بیٹھے اپنے خلائی ساتھی کو اشارہ کیا۔ اس نے ایک ہی وقت میں دو انگلیوں سے پینل بورڈ کے دو بٹن دبا دیے۔ سلنڈر

میں سُرخ رنگ کی روشنی کا غُبار پھیل گیا۔ دو سیکنڈ بعد روشنی کا غُبار چھٹا تو سلنڈر خالی تھا۔ دوسری طرف وہاں سے ہزاروں میل دور جنوبی امریکا کے ایک شہر سے دور ویران پہاڑی علاقے میں مکانوں کے کھنڈرات کے نیچے قائم اِس خلائی مخلوق کی دوسری اہم ترین خلائی کمیں گاہ کے خاص کمرے میں رکھے سلنڈر میں شیبا نمودار ہو گئی۔ وہ سلنڈر کے اندر بے ہوش پڑی تھی۔ خلائی سائنس دان شوگن اپنی چمکیلی تیز آنکھوں سے شیبا کو تک رہا تھا۔ اُس کے ساتوں خلائی اسسٹنٹ اور ساتھی اس کے قریب موجود تھے۔ شوگن کے اشارے پر شیبا کو سلنڈر میں سے باہر نکالا گیا۔ اور اسے ایک خاص تہہ خانے میں پہنچا دیا گیا۔

طوطم چیف نے شہر سے شیبا کو اغوا کر کے اپنے دوسرے خلائی مرکز میں پہنچا دیا تھا۔ اُس نے اپنے سیّارے میں عاطون کو سگنل کے ذریعہ سے

اپنی کامیابی کی اِطّلاع پہنچا دی۔ اوپر سے حُکم آیا کہ اب عمران کو اپنے کنٹرول میں کرو اور اِس کے بعد بحیرۂ روم کے گُمنام جزیرے میں بم لگانے کی تیّاریاں شروع کر دو۔ عاطون نے دوسرا سگنل دیا کہ اِس کے بعد اُس شہر کے نامور مردوں اور عورتوں کو اغوا کر کے اپنے سیّارے پر لے جانے کا مشن شروع ہو گا۔ طوطم نے جوابی سگنل میں کہا کہ ایسا ہی ہو گا۔ میں عمران کی تلاش شروع کر رہا ہوں۔ وہ اِسی شہر میں کہیں چھُپا ہوا ہے مگر شیبا کی گم شدگی کی خبر پا کر وہ باہر نکل آئے گا اور ہم اُسے بڑی آسانی سے پکڑ سکیں گے۔

جب خلائی لاش آدھی رات کو شیبا کو اغوا کر کے بھاگی تو سارے علاقے میں افراتفری مچ گئی تھی۔ لوگوں نے خلائی لاش کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ اس کے بعد جب پولیس وہاں پہنچی تو شیبا کے ڈیڈی نے پولیس کو بتایا

کہ ایک دہشت ناک شکل والے لاش نما انسانی عفریت نے اُن کی بیٹی کو بے ہوش کر کے اغوا کیا ہے۔ شیبا کی ممّی کا غم کے مارے بُرا حال ہو رہا تھا۔ پولیس اِس وقت شیبا کی تلاش میں درختوں کی طرف بھاگی۔ کیوں کہ لوگوں نے بتایا تھا کہ لاش شیبا کو لے کر اِسی طرف گئی تھی۔ صُبح تک پولیس نے سارے علاقے کا چپّہ چپہ چھان مارا مگر شیبا کا کوئی سُراغ نہ ملا۔ خلائی لاش کے پاؤں کے نشان بھی کہیں نہیں مل رہے تھے۔ صُبح سارے شہر میں یہ خبر پھیل گئی کہ آسمان سے کوئی خلائی مخلوق زمین پر اُتر آئی ہے اور اُس نے ڈاکٹر سُلطانہ کے بعد شیبا نام کی کالج کی ایک لڑکی کو اغوا کر کیا ہے اور دونوں کو اپنے سیّارے پر پہنچا دیا ہے۔

پولیس ایک دم حرکت میں آگئی۔ جگہ جگہ شیبا اور ڈاکٹر سُلطانہ کو بر آمد کرنے کے لیے چھاپے مارے جانے لگے۔ اِس کی وجہ یہ تھی کہ پولیس انسپکٹر

شہباز کو ابھی تک یقین نہیں تھا کہ کوئی خلائی مخلوق زمین پر اُتری۔ وہ اِسے لوگوں کا وہم خیال کرتا تھا۔ اُسے یقین تھا کہ یہ کام کسی گروہ کا ہے جو عورتوں کو اغوا کر کے دوسرے ملکوں میں بھیج دیتا ہے۔ انسپکٹر جنرل پولیس کو بھی خلائی مخلوق کے زمین پر اُترنے کا اعتبار نہیں تھا۔ محکمے کی طرف سے اخبارات کے ذریعہ سے لوگوں کو پُرامن رہنے کی تلقین کی گئی اور یقین دلایا گیا کہ عورتیں اغوا کرنے والے گروہ کو بہت جلد گرفتار کر کے شیبا اور ڈاکٹر سُلطانہ کو برآمد کر لیا جائے گا۔ عمران کو جب یہ خبر ملی کہ شیبا کو کسی خلائی لاش نے اغوا کر لیا ہے تو وہ پہلے تو سکتے میں آگیا۔

شیبا کے ڈیڈی ممّی اُس کے پلنگ کے پاس ہی بیٹھے تھے۔ اُنہوں نے عمران سے کہا کہ ہم نے خود اپنی آنکھوں سے ایک دہشت ناک لاش نما اُونچے لمبے ڈراؤنی شکل والے انسان کو دیکھا ہے۔جس نے بے ہوش شیبا

کو اپنے کاندھے پر ڈال رکھا تھا۔ ڈیڈی نے کہا :

"میں نے اُس پر کئی گولیاں چلائیں، مگر اُس عفریت پر کوئی اثر نہیں ہوا اور وہ اندھیرے میں میری بچّی کو لے کر غائب ہو گیا۔"

شیبا کی ممّی کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ باپ بے حد پریشان اور غم زدہ تھا۔ عمران گہری سوچ میں تھا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ یہ اُسی تابوت والی لاش کا کارنامہ ہے جو اڑن تشتری سے زمین پر اُتاری گئی تھی۔ شیبا کے ڈیڈی ٹھنڈی سانس بھر کر بولے :

"پولیس کسی طرح نہیں مانتی کہ یہ واردات خلائی مخلوق کی ہے۔ مگر ہم نے تو اُسے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ اگر وہ زمین کی مخلوق ہوتی تو گولیاں کھانے کے بعد وہ ضرور گر پڑتی، مگر اس پر تو ذرا سا بھی اثر نہیں ہوا۔"

عمران نے اُنھیں تسلّی دیتے ہوئے کہا :

"چچا جان ! آپ حوصلہ رکھیں۔ شیبا کو میں بہت جلد خلائی مخلوق کے چُنگل سے نکال لاؤں گا ، ایک بات طے ہے کہ وہ لوگ شیبا کو ہلاک نہیں کرنا چاہتے ورنہ وہ اسے اس کے کمرے میں ہی ہلاک کر سکتے تھے۔ ڈاکٹر سُلطانہ کو بھی اسی خلائی مخلوق نے اغوا کیا ہے۔ وہ ان سے کوئی کام لینا چاہتے ہیں۔ وہ کیا کام ہے ؟ ہمیں کُچھ معلوم نہیں۔ لیکن یہ بات طے ہے کہ شیبا اور ڈاکٹر سُلطانہ زندہ ہیں۔"

شیبا کی ممّی نے کہا :

"بیٹا ! تُم اکیلے اس خطرناک خلائی مخلوق کا کیسے مُقابلہ کرو گے۔"

عمران بولا :

"میں نے سب کُچھ سوچ لیا ہے چچی جان! آپ پریشان نہ ہوں۔ بہت جلد شیبا آپ کے پاس ہوگی۔"

عمران اُسی روز کلینک چھوڑ کر گھر واپس آگیا۔ اس کی کمر کا زخم اچھّا ہو چکا تھا۔ دوپہر کو وہ پولیس اسٹیشن پہنچا اور پولیس انسپکٹر شہباز کو ایک بار پھر خلائی مخلوق کی آمد کے بارے میں قائل کرنے کی کوشش کی۔ پہلے تو انسپکٹر شہباز اِسے وہم کہہ کر ٹالتا رہا لیکن جب عمران نے کہا کہ میں خلائی مخلوق کے خُفیہ ٹھکانے کو جانتا ہوں تو انسپکٹر شہباز بولا۔ "تمہارا خیال ہے کہ خلائی مخلوق نے زمین کے نیچے اپنی خُفیہ لیبارٹری قائم کر رکھی ہے۔"

عمران بولا:

"یہ میرا خیال نہیں ہے انسپکٹر۔ میں نے یہ سب کُچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ میں بڑی مُشکل سے جان بچا کر اُن کی قید سے بھاگا تھا۔ وہ اب

بھی میری تلاش میں ہوں گے۔"

انسپکٹر شہباز خاموشی سے سُنتا رہا۔

عمران کہہ رہا تھا:

"میں خلائی لیبارٹری میں جانے والے خُفیہ راستے کو جانتا ہوں۔ اگر ہم کسی طریقے سے وہاں ڈائنامیٹ لگا دیں تو خلائی مخلوق کے ساتھ اُن کے اڈّے کو بھی تباہ کیا جا سکتا ہے۔" انسپکٹر شہباز بولا:

"لیکن تمہیں پہلے مُجھے وہاں چل کر خلائی لیبارٹری کا خُفیہ راستہ دکھانا ہوگا۔"

عمران جلدی سے بولا:

"میں تیّار ہوں۔ آپ ابھی میرے ساتھ چلیں۔"

پھر کہنے لگا :

"اور یقین کریں خلائی لاش بھی اسی قبرستان میں کہیں چھپا کر رکھی گئی ہے۔"

شہباز نے مُسکرا کر کہا :

"خلائی لاش کو میں نہیں مانتا۔ ہاں اگر خلائی مخلوق نے قبرستان کے پاس زمین کے اندر اپنا ٹھکانا بنا رکھا ہے اور تُم نے مُجھے وہ دِکھا دیا تو میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ میں اسے اُڑا کر رکھ دوں گا۔"

عمران نے سوچا کہ چلو یہ کام تو پہلے ہو جائے۔ پھر خلائی لاش سے بھی نمٹ لیا جائے گا۔ اُنہوں نے اِسی وقت پروگرام طے کر لیا کہ سورج غروب ہونے سے پہلے وہ آسیبی قبرستان میں جائیں گے۔ عمران کے

دِل میں یہ خطرہ بھی تھا کہ خلائی مخلوق شیبا کو اغوا کرنے کے بعد اس کی تلاش میں ہوگی۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ آسیبی قبرستان میں جاتے ہی وہ دُشمن کے کسی پھندے میں پھنس جائے۔ لیکن یہ خطرہ مول لینا ضروری ہو گیا تھا۔ چناں چہ دِن کی روشنی ہی میں انسپکٹر شہباز کو ساتھ لے کر عمران آسیبی قبرستان پہنچ گیا۔ جیپ اُنہوں نے قبرستان کے قریب کھڑی کر دی۔ انسپکٹر شہباز نے قبرستان پر ایک نگاہ ڈال کر کہا :

"یہاں تو سوائے پُرانی قبروں کے اور کُچھ نہیں ہے عمران۔"

عمران ایک گہرا سانس بھر کر بولا :

"میرے ساتھ آؤ انسپکٹر۔ میں تمھیں خلائی کمیں گاہ میں۔ جانے والا خُفیہ راستہ دکھاتا ہوں۔"

عمران انسپکٹر شہباز کو لے کر ٹیلوں کے بیچ میں لے آیا۔ یہی وہ جگہ تھی جہاں ٹیلے کی دیوار میں شگاف نمودار ہوا تھا۔ لیکن اب وہاں کُچھ بھی نہیں تھا۔ ٹیلے کی دیوار پر خُشک گھاس اُگی ہوئی تھی۔ زمین پر کسی انسان کے قدموں کے نشان بھی نہیں تھے۔

انسپکٹر شہباز ہنس کر بولا:

"عمران! اب میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ تُم نے بھی ضرور کوئی خلائی خواب دیکھا ہے۔ میری بات مانو خلائی مخلوق کو بھول جاؤ اور واپس چلو۔"

عمران کیا کہہ سکتا تھا۔ انسپکٹر شہباز کو وہاں ٹھیرانے کے لیے کوئی دلیل اُس کے پاس نہیں تھی۔ اتنا وہ سمجھ گیا تھا کہ خلائی لوگ اتنے احمق نہیں ہیں کہ وہ اپنی خُفیہ لیبارٹری کا دروازہ ہر وقت کھُلا رکھیں۔ وہ یہ کبھی جانتا تھا کہ خُفیہ راستے والے شگاف کا آہنی دروازہ اِس طرح بند ہو جاتا ہے کہ

باہر سے کوئی پتا نہیں چلا سکتا کہ یہاں کوئی دروازہ بھی ہے۔ وہ جیپ میں بیٹھ کر انسپکٹر کے ساتھ واپس آ گیا۔ مگر شیبا کو تو ہر حالت میں تلاش کرنا تھا۔ عمران نے اکیلے ہی شیبا کو ڈھونڈھ نکالنے کا فیصلہ کر لیا۔ اب وہ رات ہونے کا انتظار کرنے لگا کیوں کہ رات کے اندھیرے میں ہی آسیبی قبرستان کے قریب خلائی مخلوق کے رازوں کے کھلنے کا وقت ہوتا تھا۔ اس اُمّید پر کہ شاید رات کے وقت خُفیہ کمیں گاہ کا دروازہ کھُلا ہو عمران آدھی رات کو قبرستان کی طرف روانہ ہوا۔

جس وقت رات کے اندھیرے میں عمران قبرستان میں داخل ہوا عین اسی وقت طوطم کے سِگنل کے اشارے پر خلائی لاش بھی اپنے تابوت کے اندر حرکت میں آ گئی۔ عمران ابھی قبرستان کی ڈیوڑھی میں ہی تھا اور شکستہ دروازے سے لگا بڑے غور سے اُن ٹیلوں کی طرف تک رہا تھا جِن

کے درمیان خلائی کمیں گاہ تھی۔ خلائی لاش دوسرے سگنل پر اپنی قبر سے باہر نکل آئی۔ طوطم چیف نے اُسے سِگنل دیا کہ عمران کے گھر جاؤ اور اُسے اغوا کر کے لے آؤ۔ اگر وہ مُقابلہ کرے تو اسے وہیں ہلاک کر دو۔ خلائی لاش اسکالا نے حلق سے غرّاہٹ کی دھیمی آواز نکالی اور قبروں میں چلنے لگی۔ ٹھیک اُسی وقت عمران کو ڈیوڑھی میں پھنکار کی آواز آئی۔ اُس نے چونک کر بائیں جانب دیکھا۔ کیا دیکھتا ہے کہ وہی اس کا دوست اور ہمدرد کالا سانپ اندھیرے میں اپنا پھن لہرا رہا ہے۔ عمران کُچھ بولنے ہی لگا تھا کہ سانپ نے دھیمی سرگوشی نما انسانی آواز میں کہا:

"شیبا! تمہاری زندگی خطرے میں ہے۔ میرے ساتھ آؤ۔ جلدی کرو۔"

سانپ عمران کے آگے آگے رینگنے لگا۔ وہ اسے لے کر ڈیوڑھی کے پیچھے قبرستان کی ٹوٹی ہوئی دیوار کے پاس ایک گڑھے میں اُتر گیا۔

"یہاں سر نیچے کر کے بیٹھ جاؤ۔ بولنا بالکل مت۔"

عمران خاموش ہو کر بیٹھ گیا۔ قبرستان کی خاموشی میں خُشک پتوں اور درختوں کی ٹہنیوں کے کھیلے جانے کی آواز سُنائی دی۔ جیسے کوئی قبروں میں چل رہا ہو۔ آواز ڈیوڑھی کی طرف آ رہی تھی۔ عمران کی آنکھیں تاریکی میں ڈیوڑھی پر جم گئیں۔ ستاروں کی پھیکی روشنی میں اُسے خلائی لاش ایک دہشت ناک سائے کی طرح قدم قدم چلتی نظر آئی۔ وہ ڈیوڑھی میں سے نکل کر شہر کی طرف جانے والی کچّی سڑک پر ہو گئی اور پھر رات کی تاریکی نے اُسے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

خلائی لاش جب نظروں سے اوجھل ہو گئی تو سانپ نے عمران سے کہا :

"اسکالا کی خلائی لاش تمھاری تلاش میں تمھارے گھر کی طرف گئی ہے۔"



عمران بولا۔ ”میں اُسے گھر پر نہ ملا تو وہ میری امّی ابّو کو تو نقصان نہیں پہنچائے گی؟“

”وہ تمہیں اغوا کرنا چاہتی ہے تمہارے ابّو امّی کو نہیں۔ وہ تمہیں دوسری جگہوں پر تلاش کرتی پھرے گی اور پھر ناکام واپس لوٹ آئے گی۔“سانپ نے کہا۔

عمران کو بار بار شیبا کا خیال آ رہا تھا۔ نہ جانے وہ کہاں ہو گی؟ اس نے سانپ سے کہا:

”تُم میرے دوست اور ہمدرد ہو۔ اس کا مُجھے یقین کیا تُم اپنی کسی غیبی طاقت سے مُجھے یہ بتا سکتے ہو کہ شیبا کو یہ خلائی مخلوق اغوا کر کے کہاں لے گئی ہے۔“

کالا سانپ ایک پل کے لیے خاموش رہا کُچھ نہ بولا۔ صرف اپنا پھن دائیں بائیں لہراتا رہا۔ پھر اس کی دھیمی انسانی آواز سُنائی دی :

"ابھی تک مُجھے کُچھ پتا نہیں ہے کہ شیبا کو کہاں لے جایا گیا ہے ۔ لیکن میں اِس کا سُراغ لگا سکتا ہوں ۔"

عمران نے سانپ کی طرف دیکھ کر کہا :

"میرے دوست اللہ کے لیے شیبا کا پتا چلاؤ کہ وہ کہاں ہے ۔ میں تمہارا یہ احسان ہمیشہ یاد رکھوں گا ۔"

سانپ بولا :

"ایک دوست دوسرے دوست کی بھلائی کے لیے اگر کُچھ کرتا ہے تو اس میں احسان کی کوئی بات نہیں ہوتی ۔ دوست وہی ہے جو مُشکل میں اپنے

دوست کے کام آئے۔ میں اپنے حساب اور اپنے ذریعہ سے شیبا کا سُراغ لگانے کی کوشش کرتا ہوں۔ تُم اُس وقت اپنے گھر مت جانا۔ کسی دوسری جگہ جا کر چھُپ جاؤ۔ میں کل رات تُم سے ملنے آؤں گا۔"

عمران نے پوچھا:

"مگر تمہیں کیسے پتا چلے گا کہ میں کہاں چھپا ہوا ہوں۔ کیوں کہ ابھی خود مُجھے پتا نہیں کہ مُجھے کہاں چھپنا ہو گا۔"

سانپ کی سرگوشی ایسی آواز آئی:

"تُم اس کی فکر نہ کرو۔ میں تمہارے جسم کی خوشبو سے تمہارے پاس پہنچ جاؤں گا۔"

عمران اُٹھ بیٹھا اور کہنے لگا:

"اب میں چلتا ہوں۔ میں کل کسی بھی جگہ تمہارا انتظار کروں گا اور ہاں میرے دوست! تُم نے ابھی تک مُجھے یہ نہیں بتایا کہ تُم سانپ ہو کر انسانوں کی آواز میں بات کیسے کر لیتے ہو؟ تُم ہو کون؟"

سانپ بولا:

"میں کون ہوں، یہ میں ابھی نہیں بتا سکتا۔ اس کا ابھی وقت نہیں آیا۔ جب وقت آئے گا تو میں اپنے بارے میں تمہیں سب کُچھ بتا دوں گا۔ اب تُم جاؤ۔"

عمران قبرستان کی ڈیوڑھی سے نکل گیا۔

خلائی قاتل

عمران کے پاس ایک ہی خُفیہ ٹھکانا تھا جہاں وہ خلائی لاش سے اپنے آپ کو چھُپا سکتا تھا اور وہ سرجن حمید کا کلینک تھا۔ عمران قبرستان سے نکل کر دوسرے راستوں سے ہوتا ہوا رات کے دو بجے سرجن حمید کی کلینک پر پہنچ گیا۔ ڈاکٹر کلینک کے اوپر ہی رہتا تھا۔ عمران نے پیچھے دیکھا۔ اُسے ڈر تھا کہ کہیں خلائی لاش اس کا پیچھا نہ کر رہی ہو۔ مگر بازار رات کی خاموشی میں

دور تک سُنسان تھا۔

عمران نے گھنٹی بجائی۔ دوسری بار گھنٹی بجانے پر ڈاکٹر نے کھڑکی میں سے جھانک کر دیکھا۔

"کون ہے؟" اس نے نیند بھری آواز میں پوچھا۔

عمران نے جلدی سے کہا:

"میں ہوں۔ عمران۔ ڈاکٹر صاحب دروازہ کھولیے۔"

ڈاکٹر نے فوراً نیچے آکر دروازہ کھول دیا۔ عمران نے اندر داخل ہوتے ہی کہا:

"دروازے میں چٹخنی لگا دیں؟"

"خیریت تو ہے عمران؟" ڈاکٹر نے چٹخنی لگاتے ہوئے پوچھا۔

"خیریت ہوتی تو میں اتنی رات گئے آپ کو تکلیف نہ دیتا۔" عمران نے کمرے میں جاتے ہوئے کہا۔

پھر وہ ایک خالی کُرسی پر بیٹھ گیا اور سرجن حمید کو سارا واقعہ سُنا دیا کہ خلائی لاش اس کی تلاش میں ہے۔

"ڈاکٹر صاحب! اس وقت مُجھے آپ کی مدد کی ضرورت ہے۔ جب تک میں کوئی نیا قدم نہیں اٹھاتا میں آپ کے کلینک میں خود کو چھُپا کر رہنا چاہتا ہوں تاکہ خلائی لاش سے محفوظ رہ سکوں۔"

سرجن حمید نے مُسکراتے ہوئے کہا:

"عمران! میں حیران ہوں کہ تُم پڑھے لکھے لڑکے ہو اور سائنس کے

اسٹوڈنٹ بھی ہو۔ پھر بھی ایک سانپ کی کہانی مُجھے سُنا رہے ہو۔ بھلا آج تک کوئی سانپ انسانی آواز میں بولا ہے۔ یہ تمہارا وہم ہے۔"

عمران نے تڑپ کر کہا:

"مگر ڈاکٹر صاحب میں نے خلائی لاش کو اپنی آنکھوں سے قبرستان سے نکلتے دیکھا ہے۔"

ڈاکٹر نے کندھے اُچکاتے ہوئے کہا:

"ٹھیک ہے۔ اگر تُم ایسا ہی سمجھتے ہو تو میرا کلینک حاضر ہے۔ میں تمہیں پچھلا کمرا دیے دیتا ہوں، تُم جب تک چاہو وہاں رہ سکتے ہو۔ کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوگی۔"

عمران ٹیلی فون کی طرف بڑھا۔

"میں اپنے امّی ابّو کو فون پر بتا دینا چاہتا ہوں کہ میں کلینک میں ہوں اور خیریت سے ہوں۔"

ڈاکٹر بولا:

"میرا خیال ہے کہ تُم اپنے گھر والوں کو بھی نہ بتاؤ کہ تُم کہاں ہو۔ ہو سکتا ہے اُن کے مُنہ سے بات نکل جائے اور تُم کسی مُشکل میں پھنس جاؤ۔"

عمران نے کہا:

"یہ آپ نے صحیح مشورہ دیا ہے۔ ٹھیک ہے۔ میں گھر والوں کو بھی اپنے ٹھکانے کے بارے میں کُچھ نہیں بتاؤں گا۔"

اِسی وقت عمران نے گھر فون کیا۔ اس کے ابّو نے فون اُٹھایا۔

عمران نے کہا:

"ابّو! میں بالکل خیریت سے ہوں اور ایک خاص وجہ سے روپوش ہوں۔ یہ وجہ آپ بھی جانتے ہیں۔ میں بالکل ٹھیک ہوں۔ آپ کوئی فکر نہ کریں۔ بہت جلد میں شیبا کو ساتھ لے کر آپ سے ملوں گا۔ میرے بارے میں کسی کو کُچھ نہ بتائیں بس نہیں کہیں کہ عمران لندن گیا ہوا ہے۔"

اِس سے پہلے کہ اس کے ابّو مزید باتیں پوچھتے عمران نے اللہ حافظ کہہ کر فون بند کر دیا۔ ڈاکٹر عمران کو اپنے ساتھ کلینک کے سب سے پچھلے کمرے میں لے گیا جہاں پلنگ بچھا تھا۔ ساتھ ہی ہاتھ روم تھا۔

ڈاکٹر بولا:

"تُم یہاں آرام کرو۔ تمھیں یہاں سے باہر آنے کی ضرورت نہیں۔ میں خود تمھیں ہر شے اسی کمرے میں مہیّا کر دوں گا۔"

ڈاکٹر چلا گیا۔ عمران پلنگ پر لیٹ کر شیبا اور خلائی لاش کے بارے میں سوچنے لگا۔

دوسری طرف اسکالا کی خلائی لاش قبرستان سے نکلنے کے بعد سیدھی عمران کے مکان پر جا پہنچی۔ مگر عمران گھر میں نہیں تھا۔ خلائی لاش نے ایک ایک کمرے میں جھانک کر دیکھا۔ اُسے عمران کہیں نہ ملا۔ خلائی لاش عمران کے مکان سے نِکل آئی۔ وہ وہاں سے سیدھی شیبا کے مکان پر گئی۔ عمران اُسے وہاں بھی کہیں دِکھائی نہ دیا۔ طوطم خلائی لیبارٹری میں کمپیوٹر کے سامنے بیٹھا تھا۔ وہ بھی سِگنلوں کی مدد سے دیکھ رہا تھا کہ عمران نہ اپنے گھر پر ہے نہ شیبا کی کوٹھی میں ہے۔ اُس نے لاش کو واپسی کا سِگنل دیا کیوں کہ اب صُبح ہونے والی تھی اور دِن کی روشنی میں لاش کو دیکھا جا سکتا تھا۔ سِگنل ملتے ہی لاش گھومی اور قبرستان کی طرف چل پڑی۔

عمران نے سارا دِن ڈاکٹر کے کلینک میں گزار دیا۔ دِن میں ایک بار اُس نے گھر اپنے امّی ابّو کو فون پر بتا دیا کہ وہ بالکل خیریت سے ہے۔ رات کو ڈاکٹر کلینک بند کر کے اوپر اپنے کمرے میں چلا گیا۔ رات گہری ہو گئی اور شہر کی سڑکوں پر خاموشی چھا گئی۔ عمران کو اپنے دوست سانپ کا انتظار تھا۔ اس نے گھڑی دیکھی۔ رات کا ڈیڑھ بج رہا تھا۔ اُس نے سوچا کہ کہیں سانپ راستہ نہ بھول گیا ہو۔ کہیں وہ راستے سے بھٹک نہ گیا ہو۔ مگر ایسی بات نہیں تھی۔ سانپ برابر ڈاکٹر کے کلینک کی طرف چلا آ رہا تھا۔ عمران کے جسم کی بُو اُس کی راہ نمائی کر رہی تھی۔ سانپ شہر کے ویران علاقوں میں بڑی تیزی سے رینگتا چلا آ رہا تھا۔ آخر وہ کلینک کی عقبی کھڑکی کے پاس پہنچ گیا۔ یہاں کھڑکی کے پیچھے سے سانپ کو عمران کی بڑی تیز خوشبو آ رہی تھی۔ عمران نے کھڑکی سانپ کے لیے آدھی کھول رکھی تھی۔ اس

کھڑکی میں سلاخیں لگی تھیں۔ سانپ رینگ کر کھڑکی پر چڑھ گیا۔ اس نے سلاخوں میں سے گردن نکال کر دیکھا۔ چھوٹے سے کمرے کی چھت پر دھیمی روشنی والا بلب جل رہا تھا اور عمران پلنگ پر بیٹھا ایک رسالہ پڑھ رہا تھا۔

سانپ سلاخوں میں سے نکل کر کمرے میں آ گیا۔ پھر اُس نے خاصی دھیمی آواز میں کہا:

"عمران! میرے دوست! میں آ گیا ہوں۔"

عمران نے چونک کر دیکھا۔ سانپ پھَن اُٹھائے اُس کے سامنے موجود تھا۔ اُس نے بے اختیار پوچھا:

"میرے دوست! شیبا کا کُچھ پتا چلا؟"

سانپ آہستہ سے رینگ کر عمران کے قریب آگیا اور بولا :

"مُجھے صرف دو باتیں معلوم ہو سکی ہیں۔ پہلی بات یہ کہ سائنس داں ڈاکٹر سُلطانہ کو خلائی مخلوق نے اپنے سیّارے اوٹان پر پہنچا دیا ہے۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی ہے کہ شیبا کو اِن لوگوں نے اپنے سیّارے پر ابھی نہیں بھیجا۔"

"تو پھر وہ کہاں ہے ؟" عمران نے بے تابی سے پوچھا۔

سانپ نے کہا :

"صرف اِسی قدر معلومات حاصل ہو سکی ہیں کہ شیبا براعظم جنوبی امریکا کے مُلک برازیل کے مشرقی ساحل کے پہاڑی علاقے میں کسی جگہ پہنچائی گئی ہے۔"

عمران حیرانی سے سانپ کو تکنے لگا۔

"برازیل کے پہاڑی علاقے میں؟ مگر اُنھوں نے اسے وہاں کیوں پہنچا دیا؟"

سانپ نے جواب میں کہا:

"اِس لیے کہ خلائی مخلوق کے کُچھ ساتھی اُس مُلک میں بھی اُترے ہوئے ہیں اور اُنھوں نے وہاں ویران بے آباد پہاڑی علاقے میں کسی جگہ اپنا خُفیہ اڈّہ بنا رکھا ہے۔ میں نے بہت کوشش کی، مگر مُجھے یہ پتا نہیں چل سکا کہ یہ خُفیہ اڈّہ وہاں کس مقام پر ہے۔"

عمران چُپ ہو گیا۔ یہ معلوم کر کے اسے پریشانی ہوئی تھی کہ شیبا کو خلائی مخلوق اتنی دُور لے گئی ہے اور وہ بھی کسی گُمنام جگہ پر۔ وہ کہنے لگا:

"میرے دوست! اس طرح تو ہم شیبا کو برازیل کے جنگلوں میں کہیں بھی

تلاش نہ کر سکیں گے۔ برازیل کے جنگل تو دُنیا کے خوفناک جنگل ہیں اور بہت بڑے جنگل ہیں۔"

سانپ نے کہا:

"اِن جنگلوں کے مشرق کی جانب ایک پہاڑی علاقہ جو ویران ہے۔ ہمیں اس پہاڑی علاقے میں شیبا کو تلاش کرنا ہو گا اور پھر میں تمہارے ساتھ ہوں گا۔"

عمران مایوسی سے بولا:

"تمہارا شکریہ میرے دوست! لیکن شیبا کا سُراغ تمہارے لیے بھی مُشکل ہو گا۔"

عمران ٹھنڈی سانس بھر کر خاموش ہو گیا۔ سانپ نے اطمینان سے کہا:

"عمران تُم بھول گئے ہو کہ میں انسانی جسم کی بُو کئی میل سے محسوس کر لیتا ہوں۔ یہاں بھی میں تمہارے جسم کی بُو کا پیچھا کرتا آیا ہوں۔ اگر تُم کسی طرح مُجھے شیبا کے جسم کا اُترا ہوا کوئی ایسا کپڑا لا دو جو ابھی دھوبی کے پاس نہ گیا ہو تو شیبا کے جسم کی بُو لے کر وہ جہاں کہیں بھی ہو گی اس تک پہنچ سکتا ہوں۔"

اِس بات نے عمران کو حوصلہ دیا۔ وہ دیکھ چکا تھا کہ ساتھ صرف اس کے جسم کی بُو پر وہاں آ گیا ہے وہ کہنے لگا۔

"میں تمہیں شیبا کے گھر سے اُس کا کوئی کپڑا ضرور لا دوں گا۔ سوال یہ ہے کہ برازیل کا مُلک دُنیا کے دوسرے کونے پر ہے۔ وہاں تک جانے کے لیے جہاز کا کرایہ کہاں سے آئے گا۔ میرے پاس تو کُچھ بھی نہیں ہے۔ بینک میں زیادہ سے زیادہ دو چار سو اپنے میرے حساب میں جمع ہوں

گے۔"

سانپ نے اپنی خاص دھیمی آواز میں بڑے سکون سے کہا:

"اِس کا میں بندوبست کردوں گا۔"

عمران نے پلٹ کر سانپ کی طرف دیکھا اور بولا:

"تُم۔ تُم کیسے بندوبست کروگے میرے دوست؟"

سانپ نے کہا:

"تُم نے یہ ضرور سُن رکھا ہوگا کہ جہاں کوئی خزانہ دفن ہوتا ہے وہاں ایک سانپ ضرور ہوتا ہے جو اس خزانے کی حفاظت کرتا ہے۔"

"ہاں یہ بات میں نے کہانیوں میں پڑھی ہے۔" عمران بولا۔

سانپ نے کہا :

"تو پھر میری بات غور سے سنو! اس شہر سے باہر ایک پرانے محل کا کھنڈر ہے۔ کوئی نہیں جانتا کہ اس کھنڈر کے نیچے ایک خزانہ دفن ہے۔ اس خزانے پر ایک سانپ پہرہ دیتا ہے۔ وہ سانپ میرا دوست ہے۔ میں اس سے کہہ کر خزانے میں سے کوئی ایسا قیمتی موتی یا ہیرا لا سکتا ہوں جس کو فروخت کر کے تُم برازیل کا سفر آسانی سے کر سکو گے۔"

عمران کے دماغ میں یہ خیال تک نہ آیا تھا کہ اس کا دوست سانپ ایسا کرشمہ بھی کر سکتا ہے۔ وہ جلدی سے بولا : "یہ تو بڑی اچھّی بات ہے۔ اس طرح تو ساری مُشکل آسان ہو جائے گی۔ تُم اپنے دوست سے خزانے کا کوئی ہیرا لے آؤ۔ میں کل ہی اپنا پاسپورٹ بنواتا ہوں اور ڈاکٹر کی مدد سے ویزا بھی لگوا لوں گا۔ کیوں کہ ہمیں دیر نہیں کرنی چاہیے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ

خلائی مخلوق شیبا کو بھی اپنے سیّارے پر پہنچا دے۔ پھر ہم کُچھ نہ کر سکیں گے۔"

سانپ نے کہا:

"خزانے کا ہیرا تو میں صُبح ہونے سے پہلے پہلے تمہیں لا کر دے دوں گا۔ یہ میرے لیے کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ میں ابھی اپنے دوست سانپ کے پاس جاتا ہوں۔"

اتنا کہہ کر سانپ کمرے سے نکل گیا۔

وہ جانتا تھا کہ خزانہ کس جگہ پر دفن ہے۔ سانپ بے حد تیز رفتاری سے بھاگتا چلا جا رہا تھا۔ پھر بھی اسے خزانے کے کھنڈر تک پہنچتے پہنچتے آدھا گھنٹہ لگ گیا۔ کھنڈر میں ایک جگہ پتھرّوں کا ایک ڈھیر پڑا تھا۔ سانپ اُس ڈھیر

میں گھُس گیا۔ یہاں سے ایک راستہ زمین کے اندر اس چھوٹے سے تہہ خانے میں جاتا تھا جہاں خزانے کا صندوق پڑا تھا اور ایک سانپ اُس پر پہرہ دے رہا تھا۔

جُونہی عمران کا دوست سانپ خزانے کے تہہ خانے میں پہنچا خزانے کے سانپ نے ایک دم اپنی گردن اُٹھائی اور پھن پھیلا دیا۔ پھر جب عمران کا دوست سانپ سامنے آیا تو خزانے کے سانپ نے فوراً اپنا سر جھُکا دیا اور سانپوں کی زبان میں بولا :

"سانپوں کے عظیم بادشاہ! یہ میری خوش قسمتی ہے کہ آپ یہاں تشریف لائے اور مجُھے آپ کا دیدار نصیب ہوا۔ فرمائیے میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں۔"

عمران کے دوست سانپ نے کہا :

”مُجھے اپنے ایک عزیز دوست کے لیے ایک ایسا قیمتی ہیرا چاہیے جو اپنی شان و شوکت میں بے مثال ہو۔“

خزانے کے سانپ نے سر جھُکا کر کہا :

”میرے سردار! یہ سارا خزانہ آپ کے قدموں میں ہے۔“

عمران کا دوست سانپ جو دراصل میں سانپوں کا سب سے بڑا بادشاہ تھا بولا :

”نہیں۔ تُم اپنی مرضی سے کوئی قیمتی ہیرا خزانے میں سے نکال کر دے دو۔“

خزانے کا سانپ اسی وقت ہیرے جواہرات سے بھرے ہوئے صندوق میں داخل ہوگیا۔ جب صندوق سے نکلا تو اُس کے مُنہ میں ایک ایسا ہیرا تھا

جو صُبح کے ستارے کی طرح چمک رہا تھا اور جس کا سائز میز پر رکھے جانے والے پیپر ویٹ جتنا تھا۔ ہیرے کے اندر سے روشنی کی کرنیں پھُوٹ رہی تھیں۔ خزانے کے سانپ نے کہا:

"عالی جناب! یہ اس خزانے کا سب سے قیمتی ہیرا ہے۔ اسے قبول کیجیے۔"

سانپ نے ہیرے کو اپنے مُنہ میں تھام لیا اور خزانے کے تہہ خانے سے واپس ہوا۔ اِدھر عمران اپنے کلینک والے کمرے میں پلنگ پر بیٹھا دوست سانپ کے آنے کا انتظار کر رہا تھا۔ اس کا ذہن صرف ایک ہی بات سوچ رہا تھا کہ اُسے برازیل پہنچ کر شیبا کو کہاں کہاں تلاش کرنا ہوگا۔ اچانک اُسے کھڑکی سے باہر روشنی سی نظر آئی۔ یہ روشنی کھڑکی سے اندر داخل ہو گئی۔ اب عمران یہ دیکھ کر حیران ہوا کہ یہ اس کا دوست سانپ تھا اور روشنی کی کرنیں اُس قیمتی ہیرے میں سے پھُوٹ رہی تھیں جو

سانپ کے مُنہ میں تھا۔ سانپ نے ہیرا عمران کے آگے ڈال دیا اور بولا:

"اِس سے زیادہ قیمتی ہیرا خزانے میں نہیں تھا۔ کل تُم اِسے بازار میں لے جا کر فروخت کر دینا مُجھے یقین ہے تمہیں اس کے عوض کافی رقم مل جائے گی۔"

عمران نے ایسا چمکیلا اور بڑے سائز کا ہیرا کبھی بھی نہیں دیکھا تھا۔ اُس نے جلدی سے ہیرے کو رومال میں چھپا کر سرہانے کے نیچے رکھ دیا اور سانپ کا شکریہ ادا کیا۔

سانپ نے کہا۔ "میں تو سارا خزانہ لا سکتا تھا مگر میں سمجھتا ہوں کہ ہمارے اخراجات کے لیے یہ ایک ہیرا ہی کافی ہے۔ اچھّا اب میں جاتا ہوں۔ کل رات کو آؤں گا۔ تُم شیبا کا اُترا ہوا کوئی کپڑا ضرور لا کر رکھنا۔ اِس کے بغیر

میرے لیے شیبا کا سُراغ لگانا مُشکل ہو گا۔"

عمران نے اُسے تسلّی دی کہ وہ کل شیبا کا کوئی پرانا کپڑا بھی منگوا لے گا۔ سانپ چلا گیا اور عمران بھی بُجھا کر لیٹ گیا۔ قیمتی ہیرا اس کے سرہانے کے نیچے تھا۔

صُبح محلے میں اذان کے ساتھ عمران کی آنکھ کھُل گئی۔ اُس نے اُٹھ کر وضو کیا۔ نماز پڑھی اور اپنے محسن ڈاکٹر کا انتظار کرنے لگا۔ ڈاکٹر اس کے لیے صُبح کو خود ناشتا ہے کر آتا تھا۔ ٹھیک وقت پر ڈاکٹر ناشتے کی ٹرے لے کر کمرے میں داخل ہوا اور بولا:

"آج میں تمہارے لیے حلوہ لایا ہوں۔ کیا تمھیں حلوہ پسند ہے عمران؟"

عمران بولا:

"کیوں نہیں ڈاکٹر مگر آپ اتنی زحمت نہ کیا کریں۔ اس۔ وقت ایک عظیم مقصد میرے سامنے ہے اور میں گھاس کھا کر بھی زندہ رہ سکتا ہوں ڈاکٹر۔"

عمران نے ابھی تک ڈاکٹر کو کچھ نہیں بتایا تھا۔ دونوں نے آرام سے ناشتا کیا۔ جب ڈاکٹر چائے بنا رہا تھا تو عمران نے کہا:

"ڈاکٹر! کیا آپ اس بات کو مانتے ہیں کہ زمین کے اندر قدیم بادشاہوں کے خزانے دفن ہوتے ہیں اور سانپ اس کی حفاظت کرتے ہیں؟"

ڈاکٹر ہنس کر بولا:

"ایسا الف لیلیٰ کی کہانیوں میں ہی ہوتا ہے، مگر تم یہ ذکر کیوں لے بیٹھے؟"

عمران نے بڑے اطمینان سے کہا:

"اِس لیے کہ میرے پاس اس وقت ایک ایسے ہی شاہی خزانے کا ہیرا موجود ہے جسے میں آپ کی مدد سے فروخت کرنا چاہتا ہوں۔"

پھر عمران نے سرہانے کے نیچے سے قیمتی ہیرا نکال کر ڈاکٹر کے آگے رکھ دیا۔ ڈاکٹر تو اتنے شان دار ہیرے کو دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ پہلے تو وہ اسے نقلی سمجھا۔ پھر جب اسے غور سے دیکھا تو بولا:

"عمران! یہ ہیرا تو بہت قیمتی ہے۔ تمہارے پاس کہاں سے آیا؟" عمران نے کہا:

"جس سانپ کو آپ کہانیوں کا فرضی کردار سمجھتے رہے ہیں، یہ ہیرا مُجھے وہی سانپ دے گیا ہے اور میں اسے فروخت کر کے برازیل جانا چاہتا ہوں۔"

ڈاکٹر ہکّا بکّا سا ہو کر عمران کی طرف تکنے لگا۔ عمران کہنے لگا۔

"رات میرا دوست سانپ میرے پاس آیا تھا۔ اُس نے مُجھے بتایا ہے کہ خلائی مخلوق نے شیبا کو برازیل پہنچا دیا ہے اور میں اس کو وہاں سے نکالنے کے لیے برازیل جا رہا ہوں۔"

پھر عمران نے پوری تفصیل کے ساتھ سارے واقعات بیان کر دیے۔ ڈاکٹر آنکھیں پھاڑے غور سے سُنتا رہا۔ عمران نے آخر میں کہا۔

"اِس ہیرے کو فروخت کرنے کے علاوہ آپ کو میرا پاسپورٹ بھی بنوانا ہے اور جیسے بھی ہو برازیل کا ویزا بھی لگوا کر دینا ہے۔۔ تاکہ میں جتنی جلدی ہو برازیل پہنچ کر شیبا کو خلائی مخلوق کی قید سے نکالوں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم دیر کر دیں اور خلائی مخلوق اسے اپنے سیّارے پر پہنچا دے جیسا کہ اُنھوں نے ڈاکٹر سُلطانہ کو اپنے خلائی سیّارے اوٹان میں پہنچا دیا ہے۔"

ڈاکٹر بولا :

"عمران! مُجھے تمہاری کسی بات پر یقین نہیں آ رہا۔ لیکن تُم جیسا کہتے ہو میں ویسا ہی کروں گا۔ میں اس ہیرے کو بھی فروخت کرنے کی کوشش کروں گا اور تمہارا پاسپورٹ بنوا کر برازیل کا ویزا بھی لگوا دوں گا، مگر ایک بات ضرور کہوں گا کہ دوسرے ملک کی طرف روانہ ہونے سے پہلے یہ ضرور سوچ لینا کہ وہاں تُم بے یارومددگار ہو گے۔"

عمران نے فوراً جواب دیا۔

"ڈاکٹر! میرا اللہ میرے ساتھ ہو گا اور اللہ جس کے ساتھ ہو وہ کبھی بے یارو مددگار نہیں ہو سکتا۔"

ڈاکٹر نے مُسکراتے ہوئے سر ہلایا اور کہا :

"ہاں یہ تو ہے۔ میں تمھاری کامیابی کے لیے دُعا کروں گا۔ اب میں سب سے پہلے تمھارا ہیرا فروخت کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔"

دوپہر کے بعد ڈاکٹر خزانے کا ہیرا بیچنے کے لیے شہر کے سب سے بڑے جوہری بازار میں گیا۔ یہاں ایک جوہری سیٹھ اس کا جاننے والا تھا۔ جب ڈاکٹر نے خزانے کا ہیرا نکال کر سیٹھ کو دکھایا تو وہ اسے دیکھتا کا دیکھتا رہ گیا۔ ہیرے کو ہاتھ میں لے کر اچھّی طرح سے پرکھا۔ پھر بولا:

"ڈاکٹر! یہ ہیرا تمھیں کہاں سے ملا ہے؟"

ڈاکٹر کے کہہ دیا:

"افریقہ میں میرے ایک دوست کی ہیروں کی کان ہے۔ اس نے یہ ہیرا فروخت کرنے کے لیے میرے پاس بھیجا ہے۔ تُم اس کی کتنی رقم دے

سکتے ہو سیٹھ؟"

سیٹھ جانتا تھا کہ اس ہیرے کی قیمت دس کروڑ سے بھی زیادہ ہے۔ لیکن اُس نے جھوٹ بولتے ہوئے کہا :

"ہیرا تو بڑا نایاب ہے مگر اس میں ایک عیب ہے کہ اگر اسے کاٹا جائے گا تو یہ ریزہ ریزہ بھی ہو سکتا ہے۔ اس وجہ سے ہمیں اس کا گاہک ڈھونڈنے میں بڑی مُشکل پیش آ سکتی ہے۔"

ڈاکٹر کو عمران نے یہ کہہ دیا تھا کہ اگر اس ہیرے کے پچاس ہزار روپے بھی ملیں تب بھی اسے فروخت کر دیں۔ ڈاکٹر نے کہا :

"سیٹھ دو لفظوں میں بات کرو۔ تُم اس کا کیا دو گے؟"

سیٹھ نے کافی سوچ بچار کے بعد کہا۔

"ڈاکٹر بھائی میں تمہیں اس کے دو لاکھ روپے نقد دے سکتا ہوں۔ اس سے زیادہ نہیں۔ بولو! نکالوں رقم تجوری سے؟"

ڈاکٹر نے ہیرا سیٹھ کے حوالے کر دیا اور دو لاکھ روپے کے نوٹ لے کر کلینک واپس آگیا۔ عمران کو اس کی امانت دی اور کہا:

"اِس سے زیادہ نہیں مل سکتا تھا عمران۔"

"ٹھیک ہے ڈاکٹر۔" عمران بولا۔ "یہ تو بہت ہے۔ اب ان روپوں کے عوض ڈالر بھی آپ ہی کو خرید کر دینے ہوں گے۔"

"وہ تو میں کر لوں گا مگر پہلے تمہارا پاسپورٹ بنوانا ہے۔"

ڈاکٹر نے کہا۔

ڈاکٹر نے ان روپوں میں سے ارجنٹ فیس کے لیے کُچھ روپے رکھ لیے۔

عمران کی تصویریں اُتروائیں اور پاسپورٹ آفس کی طرف روانہ ہو گیا۔ اُس کے جانے کے بعد عمران نے شیبا کے کسی اُترے ہوئے کپڑے کے لیے اس کے گھر فون کیا۔ اُن کا فون خراب تھا۔ عمران کسی وجہ سے اپنے امّی ابّو کو یہ بات نہیں بتانا چاہتا تھا کہ وہ شیبا کی تلاش میں ایک سانپ کو بھی ساتھ لے جا رہا ہے۔ شام کو ڈاکٹر عمران کا پاسپورٹ تیّار کروا کر لے آیا۔ اُس پر شمالی اور جنوبی امریکا کے کئی شہروں اور یورپ کے کئی ملکوں کے ویزے بھی لگے ہوئے تھے۔ تب عمران نے ڈاکٹر سے مدد چاہی کہ وہ شیبا کے گھر سے اس کا کوئی اُترا ہوا دوپٹہ کسی طرح سے لا دے۔ ڈاکٹر نے یہ کام بھی کر دیا۔ رات کے آٹھ بجے تک عمران کے پاس شیبا کا ایک پرانا دوپٹہ پہنچ چکا تھا۔

رات کو اپنے وقت پر سانپ آ گیا۔ عمران نے شیبا کا دوپٹہ اُس کو دکھایا

اور یہ بھی بتایا کہ سارے کاغذات تیّار ہیں اب صرف ہوائی جہاز میں سیٹ بُک کروانی باقی ہے۔ سانپ نے دوپٹے کی طرف دیکھا اور پوچھا۔

"عمران کیا تمہیں یقین ہے کہ یہ دوپٹہ شیبا ہی کا ہے؟"

عمران نے جواب دیا:

"مُجھے یقین ہے۔ اس لیے کہ میں نے خود شیبا کو یہ دوپٹہ اوڑھتے دیکھا ہے۔"

سانپ نے اپنا مُنہ شیبا کے دوپٹے پر رکھ دیا اور زور سے سانس کھینچا۔ ایسا سانپ نے تین چار مرتبہ کیا اور کہنے لگا۔

"اب میں کم از کم پچاس میل سے شیبا کی خوشبو سُونگھ سکتا ہوں۔"

سانپ دوسرے دِن شام کو آنے کا کہہ کر چلا گیا۔ دوسرے دِن ڈاکٹر

نے اپنے اثر و رسوخ سے کام لیتے ہوئے رات نو بجے کی پرواز میں لندن تک کے لیے عمران کی سیٹ بُک کروا دی ڈاکٹر نے ٹکٹ لا کر عمران کو دیا اور پوچھا :

"میری سمجھ میں یہ نہیں آ رہا کہ تُم اپنے دوست سانپ کو ساتھ کیسے لے جاؤ گے ؟ کسٹم اور سیکیورٹی والے تمہیں ایسا نہیں کرنے دیں گے ۔ وہ سانپ کو جہاز میں نہیں لے جانے دیں گے کیوں کہ یہاں ایک قانون بن چکا ہے کہ عام پروازوں میں کوئی سپیرا یا سائنس دان ڈاکٹر بھی تجربے کے لیے سانپ اپنے ساتھ نہیں لے جا سکتا ۔"

عمران نے کہا :

"میں نے سانپ سے اس کا ذکر کیا تھا ۔ وہ کہتا ہے کہ یہ کام مُجھے پر چھوڑ دو ۔ میں جہاز پر اپنے طریقے سے سوار ہوں گا ۔"

ڈاکٹر نے گردن ہلاتے ہوئے کہا :

"ٹھیک ہے۔ اگر ایسا ہے تو ٹھیک ہے۔ بہر حال اب تیّاری کرو۔ کیوں کہ وقت زیادہ نہیں ہے۔ یہ تو دو ہزار ڈالر سفر خرچ کے لیے۔ باقی کی رقم ڈالروں کی شکل میں مَیں نے واشنگٹن کے ورجینیا بینک میں جمع کرا دی ہے۔ اِس بینک کی شاخیں جنوبی امریکا کے ہر شہر اور قصبے میں ہیں۔ یہ چیک بُک بھی اپنے پاس رکھ تو تمہارے دستخط بھی اُن تک پہنچا دیے گئے ہیں۔"

جہاز نو بجے رات لندن کی طرف پرواز کرنے والا تھا سانپ آٹھ بجے آگیا۔ عمران نے سانپ کو پروگرام کے مطابق پلاسٹک کے تھیلے میں چھُپا لیا اور ڈاکٹر کے ساتھ گاڑی میں سوار ہو کر ہوائی اڈّے کی طرف روانہ ہو گیا۔ ائیر پورٹ پر پہنچنے کے بعد عمران نے ایک طرف ہو کر درختوں کے پاس

سانپ کو تھیلے سے نکال کر چھوڑ دیا۔ سانپ نے اسے ایسا ہی کرنے کے لیے کہا تھا۔

کالا جنگل، نیلی موت

سانپ گھاس میں رینگتا، جنگلے کے نیچے سے گزر کر ائیر پورٹ کے اندر اس جگہ آ گیا جہاں ہوائی جہاز میں لے جانے کے لیے ٹریلر پر سامان لادا جا رہا تھا۔ یہاں تھوڑا تھوڑا اندھیرا ابھی تھا۔ سانپ بڑی آسانی سے ایک بڑے ٹوکرے میں گھُس کر چھُپ گیا۔ تھوڑی دیر بعد ٹریلر کو جہاز کے نیچے لے جایا گیا اور سامان جہاز کے نیچے رکھا جانے لگا۔ دوسری طرف عمران بھی

دوسرے مسافروں کے ساتھ جہاز میں سوار ہو چکا تھا۔ یہ جمبو جیٹ تھا اور پیرس، لندن اور نیویارک سے ہوتا ہوا برازیل کے دارالحکومت کی طرف جا رہا تھا۔

ٹھیک وقت پر جمبو جیٹ جہاز ٹیک آف کر گیا۔ اس شہر سے پیرس کا سفر سات گھنٹوں کا تھا۔ عمران دِل میں دُعا مانگتا رہا کہ اس کا دوست سانپ بھی جہاز میں کسی طرح سوار ہو گیا ہو۔ کیوں کہ سانپ کے بغیر وہ شیبا تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔ جہاز تاروں بھرے آسمان کی فضاؤں میں ایک خاص بلندی پر اپنی منزل کی طرف اُڑا جا رہا تھا۔ اپنے وقت پر جہاز پیرس کے ہوائی اڈّے پر اُتر گیا۔ وہاں سے اڑا تو لندن اور پھر لندن سے امریکا کے شہر نیویارک تک کا آٹھ نَو گھنٹوں کا سفر شروع ہو گیا۔ اس سے پہلے عمران صرف ایک بار نیویارک آیا تھا۔ جب وہ اپنے کالج کے ایک ڈیلیگیشن کے

ساتھ امریکا میں ایک سیمینار میں شرکت کرنے گیا تھا۔ نیو یارک جہاز دوسرے دِن شام کے وقت پہنچا۔ یہاں سے اُڑا تو سیدھا براعظم جنوبی امریکا کے اہم ترین ملک برازیل کے دارالحکومت برازیلیا کے ائیر پورٹ پر لینڈ کر گیا۔

یہی عمران کی منزل بھی تھی۔ عمران نے سانپ کو بتا دیا تھا کہ اُسے برازیلیا کے ائیر پورٹ پر اُترنا ہو گا۔ یہاں سامان اُتارا گیا تو اُس میں سانپ بھی چھُپا ہوا تھا۔ وہ بھی سامان کے ساتھ ائیر پورٹ سے باہر آ گیا۔ اِس وقت رات کے تین بج رہے تھے۔ ائیر پورٹ کی روشنیاں جگمگا رہی تھیں۔ مگر سانپ کسی طرح سامان سے نکل کر ائیر پورٹ کے بڑے گیٹ کی طرف آ کر ایک بڑے گملے کے پیچھے چھُپ کر عمران کا انتظار کرنے لگا۔ عمران کو بھی معلوم تھا کہ سانپ ائیر پورٹ کے گیٹ کے

سامنے کسی جگہ اُس کے انتظار میں ہو گا۔ سانپ کو دور ہی سے عمران کی خوشبو آ گئی۔ پھر اُس نے عمران کو تھیلا کاندھے پر ڈالے دوسرے مسافروں کے ساتھ باہر نکلتے دیکھا۔ جب وہ سانپ کے قریب سے گزرا تو سانپ نے آہستہ سے اس کا نام لے کر پُکارا۔ عمران وہیں رُک گیا نظر نیچی کر کے دیکھا کہ سانپ ایک بہت بڑے سنگِ مرمر کے گملے کے پاس اندھیرے میں بیٹھا تھا۔ عمران نے اُسے اُٹھا کر اپنے تھیلے میں ڈالا اور کہا :

"اللہ کا شکر ہے کہ تُم مل گئے۔"

ایک آدمی نے پیچھے مُڑ کر عمران کی طرف دیکھا اور انگریزی میں پوچھا :

"کیا تُم نے مُجھ سے کُچھ کہا ہے۔"

عمران نے معذرت کرتے ہوئے کہا :

"معاف کیجیے ! میں پیچھے اپنے ایک دوست سے بات کر رہا تھا۔"

ائیر پورٹ کے باہر سیکڑوں ٹیکسیاں اور خالی کاریں کھڑی تھیں۔ عمران نے ایک ٹیکسی والے سے بات کی اور وہ اسے اسے شہر کے ایک ہوٹل میں لے آیا۔ جہاں عمران نے ایک کمرا کرائے پر لے لیا۔ وہ اپنی مُہم شروع کرنے سے پہلے آرام کرنا چاہتا تھا۔ جہاز کے لمبے سفر نے اُسے تھکا دیا تھا۔ سارا دِن عمران نے اپنے کمرے میں آرام کیا۔ سانپ بھی پلنگ کے نیچے لیٹا رہا۔ رات کو کھانا کھانے کے بعد عمران نے سانپ پوچھا :

"میرے دوست ! تُم نے اپنے بارے میں مُجھے ابھی تک نہیں بتایا کہ تُم اصل میں سانپ ہو کہ انسان ہو۔ خیر یہ وقت اِن باتوں میں جانے کا نہیں

ہے۔ ویسے بھی تُم نے وعدہ کیا ہے کہ وقت آنے پر تُم اس راز پر سے پردہ اُٹھا دو گے۔ لیکن ہم ایک خطرناک مُہم شروع کرنے والے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ تُم مُجھے اپنا کوئی نام بتا دو جس نام سے میں تمہیں بُلایا کروں۔"

سانپ نے کہا:

"تُم مُجھے ناگ کے نام سے پکار سکتے ہو؟"

عمران خوش ہو کر بولا:

"ناگ۔ ناگ تو سانپ ہی کو کہتے ہیں۔ یہ تو کوئی نام نہ ہوا۔ خیر ٹھیک ہے۔ اگر تُم کہتے ہو تو میں تمہیں اسی نام سے بُلایا کروں گا۔ اچھّا میرے دوست ناگ! یہ بتاؤ کہ تمہیں یہاں کس طرف سے شیبا کی خوشبو محسوس ہو رہی

ہے؟"

ناگ نے کہا :

"یہ تجربہ میں نے یہاں آتے ہی کر لیا تھا۔ مُجھے یہاں کسی طرف سے بھی شیبا کی خوشبو نہیں آ رہی۔"

عمران بولا :

"آ بھی نہیں سکتی۔ وہ تو اِس ملک کے مشرقی علاقے کے پہاڑی جنگوں میں کہیں خلائی مخلوق کی قید میں ہے۔ بہر حال رات ہم آرام کریں گے۔ صُبح اُٹھتے ہی اپنی مُہم پر روانہ ہو جائیں گے۔ میں نے نقشے میں دیکھ لیا ہے کہ ہمیں کہاں جانا ہے۔"

دوسرے دِن عمران نے مارکیٹ میں جا کر ریوالور اور گولیوں کے چھ

سات ڈبّے، شکاری چاقو، پانی رکھنے والا چھوٹا مشکیزہ، بسکٹوں کے پیکٹ، نائیلون کی باریک مگر بے حد مضبُوط رسّی، آگ جلانے والے لائٹر اور سفر میں کام آنے والی دوسری ضروری چیزیں خریدیں۔ اُنھیں ایک تھیلے میں بند کرلیا۔ ہوٹل میں آکر برازیل کے نقشے کو میز پر پھیلا دیا۔ مُلک کی مشرقی پہاڑی وادیاں چھوٹی پہاڑیوں اور گھنے جنگلوں سے اَٹی ہوئی تھیں۔ اِن کے درمیان دریائے ایمیزون بہہ رہا تھا۔ سانپ عمران کے قریب ہی کُنڈلی مارے بیٹھا تھا۔ عمران نے نقشے پر ایک جگہ پینسل رکھتے ہوئے کہا:

"ہمیں اِس مقام تک ہوائی جہاز میں سفر کرنا ہوگا۔ اس مقام کا نام شوگاٹا ہے۔ یہاں سے ہمارا جنگلوں اور پہاڑیوں میں دشوار گزار سفر شروع ہو گا۔"

سانپ نے دھیمی آواز میں کہا:

"مُجھے یقین ہے خلائی مخلوق کا خُفیہ ٹھکانا انہی پہاڑیوں میں کہیں ہو گا۔"

ایک گھنٹے کے بعد عمران اور سانپ ایک چھوٹے ہوائی جہاز میں بیٹھے شوگاٹا کی طرف پرواز کر رہے تھے۔ عمران نے سانپ کو اپنے تھیلے میں چھُپا رکھا تھا۔ یہ اندرونِ مُلک پرواز تھی۔ یہاں چیکنگ زیادہ نہیں ہوئی تھی۔ تین گھنٹے سفر کرنے کے بعد برازیل ائیر لائنز کا جہاز شوگاٹا کے ائیر پورٹ پر اتر گیا۔

شوگاٹا ایک چھوٹا سا شہر تھا۔ یہاں ایک معمولی سا ہوٹل دریائے ایمیزون کے کنارے واقع تھا۔ عمران اور سانپ نے اس ہوٹل میں ایک رات آرام کیا اور نقشہ سامنے رکھ کر اس گھنے جنگل اور پہاڑیوں کو دیکھا جن کے درمیان سے گزر کر اُنہیں برازیل کے مشرقی ساحل کے قریب ان پتھریلی

سیاہ پہاڑیوں میں جانا تھا جہاں ان کے خیال میں شیبا خلائی مخلوق کی قید میں تھی۔ شوگاٹا سے عمران نے کھانے پینے کی چیزوں کے کُچھ ڈبّے بھی اپنے ساتھ لے لیے۔ مشکیزے میں تازہ پانی بھر لیا۔ ریوالور میں گولیاں بھر لیں۔ سانپ کو تھیلے میں رکھنے کی بجائے اپنی جیکٹ کی بڑی تھیلا نما جیب میں رکھ لیا کیوں کہ اب اسے چھپانے کی ضرورت نہیں تھی۔

دِن کے دس بجے عمران شوگاٹا کے چھوٹے سے ہوٹل سے نکلا۔ ایک کھڑکھڑاتی بس میں سوار ہو گیا۔ یہ بس دوپہر تک دریا کے کنارے کنارے سفر کرتی رہی۔ دوپہر کے بعد دریا کا کنارا چھوڑ کر جنگل میں داخل ہو گئی۔ عمران نے دیکھا کہ راستے کے دونوں جانب بڑے اُونچے اونچے درخت تھے، جن کی شاخیں ایک دوسرے میں پھنسی ہوئی تھیں۔ ان کے تنوں پر سبز رنگ کی چوڑے پتّوں والی بیلیں لپٹی ہوئی تھیں۔ درختوں نے چھت

ڈال رکھی تھی۔ یہاں روشنی بھی کم تھی۔ راستے میں بس کے مسافروں نے ایک جگہ اُتر کر کھانا کھایا چائے پی اور بس پھر سفر پر روانہ ہو گئی۔

شام کا اندھیرا آہستہ آہستہ پھیل رہا تھا کہ یہ پرانی کھڑکھڑاتی بس جنگل کے آخری کنارے والے ایک گاؤں میں پہنچ کر رُک گئی۔ یہ اس بس کی آخری منزل تھی۔ اس کے آگے چھوٹی بڑی پہاڑیاں شروع ہو جاتی تھیں۔ یہاں سے آگے عمران کو پیدل سفر کرنا تھا۔ گاؤں میں کسی ہوٹل وغیرہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ وہ بس کے اڈّے پر بیٹھ گیا۔ دو چار دوسرے مسافر بھی بیٹھے تھے۔ یہ دیہاتی لوگ تھے جنہیں رات وہیں گزار کی تھی اور صُبح اپنے پہاڑی دیہات کی طرف چلنا تھا۔

سانپ عمران کی جیکٹ کی بڑی جیب میں آرام کر رہا تھا۔ عمران بس اسٹینڈ کی شکستہ چھت کے نیچے ایک طرف کونے میں بیٹھا تھا۔ اس نے سانپ

سے کہا۔

"اگر تُم کھُلی ہوا میں پھرنا چاہتے ہو تو باہر لے چلوں؟"

سانپ نے کہا:

"ابھی اِس کی ضرورت نہیں عمران! جب رات کا اندھیرا ہو جائے گا تو میں تمہاری جیب سے باہر آجاؤں گا۔"

عمران سانپ کو ابھی چھُپا کر ہی رکھنا چاہتا تھا۔ اُس نے وہیں بیٹھے بیٹھے ڈبل روٹی کے ساتھ تھوڑا سا پنیر کھایا۔ پانی پیا اور وہیں لیٹ گیا۔ جب رات کا اندھیرا گہرا ہو گیا تو سانپ نے آہستہ سے کہا:

"عمران! میں باہر نکلنا چاہتا ہوں۔ اب مُجھے کوئی نہیں دیکھے گا؟"

مگر عمران نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ بڑی گہری نیند سو رہا تھا۔ سانپ نے

سوچا کہ عمران کو بے آرام نہیں کرنا چاہیے۔ میں تھوڑی دیر کھُلی ہوا میں ٹہل لیتا ہوں۔ یہ فیصلہ کر کے سانپ عمران کی جیب سے باہر آ گیا اور فرش پر اندھیرے میں رینگتا بس اسٹینڈ کے پیچھے جو ہری بھری گھاس کی ڈھلان تھی وہاں چلا آیا۔ رات خاموش تھی۔ ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ سانپ کو تازہ کھُلی ہوا میں بڑا سکون محسوس ہوا۔ وہ دھیرے دھیرے رینگتا درختوں کی طرف بڑھا۔ اگرچہ یہاں اندھیرا تھا۔ مگر سانپ اندھیرے میں بھی دیکھ سکتا تھا۔ وہ بڑے مزے سے جنگلی کی تازہ ہوا میں سیر کرتا ذرا آگے گیا تو اُسے درختوں کے نیچے ایک جھونپڑا نظر پڑا۔

اِس جھونپڑے میں مٹّی کا دیا جل رہا تھا۔ جھونپڑے کا دروازہ کھُلا تھا۔ جھونپڑے میں اس علاقے کا مشہور سپیرا اپنے سانپوں کو مٹّی کی ہنڈیا میں بند کر رہا تھا کہ اچانک سانپ بے چین ہو گئے اور ہنڈیا سے باہر نکلنے کی

کوشش کرنے لگے۔ اِن سانپوں کو اُس سانپ کی بُو آ گئی تھی جو اُن کا بادشاہ تھا۔ ساتھ ہی تجربے کار سپیرے نے بھی فضا میں ایک عجیب سی بُو سونگھ لی تھی۔ وہ فوراً سمجھ گیا کہ یہ تو سانپوں کے بادشاہ کی ہے جو زمین کے تمام سانپوں پر حکمرانی کرتا ہے اور جس کو زمین کے اندر چھپے ہوئے تمام خزانوں کا علم ہے۔ سپیرے نے اپنے سانپوں کو جلدی سے ہنڈیا میں بند کر کے اوپر ڈھکنا ڈھک دیا اور خود جھونپڑی کے پچھلے دروازے سے نکل کر اندھیرے میں ایک جھاڑی کے پیچھے چھُپ گیا۔

سانپ یونہی سیر کرتا ہوا جھونپڑی کے پاس آ گیا۔ اس پر چراغ کی روشنی پڑی تو اُس نے اپنا پھن اُٹھا لیا۔ قریب والی جھاڑی میں چھُپے سپیرے کی سانپ پر نظر پڑی تو خُوشی سے اُس کی آنکھیں چمک اُٹھیں۔ اُس نے فوراً پہچان لیا تھا کہ یہی سانپوں کا بادشاہ ہے۔ اُس کے پھن کی پیشانی پر سفید

رنگ کے چھوٹے سے تاج کا نشان بھی بنا ہوا تھا۔ سپیرا بھلا سانپوں کے بادشاہ کو کیسے ہاتھ سے جانے دیتا۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ اُس کا زہر اتنا خطرناک ہوتا ہے کہ اگر وہ کسی آدمی کو ڈس لے تو اس بد قسمت آدمی کی ہڈّیاں تک گل کر پانی بن جاتی ہیں۔ مگر سپیرے کے پاس شیش ناگ کا مُہرہ تھا۔ اُس نے مُہرہ جیب سے نکالا اور اپنے مُنہ میں رکھ لیا۔ اب اُس پر سانپ کے بادشاہ کے زہر کا بھی اثر نہیں ہو سکتا تھا۔

سانپ نے جب دیکھا کہ جھونپڑا خالی پڑا ہے تو اپنے پھَن کو سکیٹر لیا اور واپس مُڑ گیا۔ اُس کا رُخ گاؤں کے بس اسٹینڈ کی طرف تھا جہاں عمران گہری نیند سو رہا تھا۔ سانپ کو واپس جاتے دیکھ کر سپیرا جھاڑی سے نکلا اور لپک کر بجلی جیسی تیزی کے ساتھ اُس نے سانپ کو دُم سے پکڑ کر اُٹھا لیا اور اوپر تلے چھ سات بار جھٹکا۔ سانپ کُچھ نہ سمجھ سکا کہ یہ اچانک کیا ہو

گیا ہے۔ جھٹکوں نے اُسے اَدھ مُوا کر دیا تھا۔ سپیرا جھونپڑے کی طرف دوڑا۔ جھونپڑے میں آتے ہی پھیرے نے سانپ کوچھڑے کے تھیلے میں بند کر کے اس کا مُنہ رسّی سے باندھ دیا۔ سپیرے کی خُوشی کی کوئی انتہا نہیں رہی تھی۔ اسے اچانک ساری دُنیا کی دولت مل گئی تھی۔ اب اُسے اپنے دوسرے سانپوں سے کیا دِل چسپی ہو سکتی تھی۔ خود سانپوں کا بادشاہ اُس کی قید میں تھا۔ جس کی مدد سے وہ زمین میں چھُپے ہوئے سارے خزانے حاصل کر سکتا تھا۔ سپیرے نے جھونپڑے کے چراغ کو پھونک مار کر بجُھا دیا اور خود جنگل سے نکل کر سامنے والی پہاڑیوں کی طرف تیز تیز چلنے لگا۔

عمران کی آنکھ کھُلی تو سورج نکل آیا تھا اور اس کی روشنی چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی۔ اس نے کلائی کے ساتھ بندھی گھڑی دیکھی۔ صُبح کے

سات بج چکے تھے۔ اچانک اسے اپنے دوست ناگ سانپ کا خیال آگیا کہ وہ تو ساری رات اس کی جیب میں ہی بند پڑا رہا ہے۔ اس نے جلدی سے جیب میں ہاتھ ڈالا مگر جیب خالی تھی۔ ناگ سانپ جیب میں نہیں تھا۔ وہ سمجھا کہ سانپ اپنے آپ ہی کہیں اِدھر اُدھر ٹہلنے نکل گیا ہو گا۔ عمران نے نلکے سے مُنہ ہاتھ دھویا۔ ایک دُکان پر ناشتا کیا اور بس اسٹینڈ کے چھپر تلے آ کر بیٹھ گیا اور سانپ کا انتظار کرنے لگا۔ اُسے تو پورا یقین تھا کہ سانپ تھوڑی دیر کھُلی ہوا میں چلنے پھرنے کے بعد اسی جگہ واپس آ جائے گا۔ مگر جب کافی دیر ہو گئ اور سانپ واپس نہ آیا تو عمران کو تشویش ہوئی کہ سانپ کہاں چلا گیا۔ وہ اب تک واپس کیوں نہیں آیا۔ وہ اُٹھا اور ہری بھری گھاس والی ڈھلوان اُتر کر درختوں میں آگیا اور اپنے دوست سانپ کو تلاش کرنے لگا۔ اس نے آہستہ آہستہ دو تین بار سانپ کو آواز بھی

دی۔ مگر کسی طرف سے کوئی جواب نہ آیا۔ عمران کی پریشانی بڑھنے لگی۔ کہیں سانپ کے ساتھ کوئی حادثہ تو پیش نہیں آگیا۔ اس کے بغیر تو وہ شیبا کو خلائی مخلوق کی قید سے نہ نکال سکے گا۔ سانپ ہی نے تو شیبا کی بُو پر اُسے خلائی مخلوق کے خُفیہ ٹھکانے تک پہنچانا تھا۔

عمران نے پوری سرگرمی سے سانپ کی تلاش شروع کر دی۔ سامنے اسے جھونپڑی نظر پڑی۔ وہ جھونپڑی میں آیا۔ وہاں تین چار مٹّی کی ہنڈیاں پڑی تھیں۔ عمران نے ان کی طرف کوئی توجّہ نہ دی۔ یہاں بھی اُس نے ناگ سانپ کو پکارا۔

"ناگ! میرے دوست۔ تُم کہاں ہو؟"

جواب میں وہی جنگل کی خاموشی تھی۔ عمران نے اس علاقے کا چپّہ چپّہ چھان مارا، مگر سانپ اسے نہ ملا۔ وہ تھک ہار کر واپس بس اسٹینڈ میں بیٹھ گیا

اور سوچنے لگا کہ اب اسے کیا کرنا چاہیے۔ اسے یقین ہو گیا تھا کہ یا تو کسی تھا کہ یا تو کسی نے سانپ کو مار دیا ہے اور اس کی لاش کسی گڑھے میں دبا دی ہے، اور یا کوئی سپیرا اُسے پکڑ کر لے گیا۔ عمران اپنی مُہم مُلتوی نہیں کر سکتا تھا۔ کیوں کہ یہ شیبا کی زندگی اور موت کا سوال تھا۔ اُسے ہر حالت میں شیبا کو خطرناک خلائی مخلوق کی قید سے نکال کر واپس اپنے وطن میں پہنچانا تھا، لیکن وہ سانپ کی مدد سے ضرور محروم ہو گیا تھا۔ اب اسے اپنے آپ شیبا کو ڈھونڈھنا تھا۔ عمران ہمّت ہارنے والا لڑکا نہیں تھا۔ اور پھر اُسے اپنے اللہ کی مدد پر بھی پورا یقین تھا۔ سانپ کی وجہ سے اُسے شیبا تک پہنچنے میں ذرا آسانی ضرور ہو جاتی، لیکن وہ اکیلا بھی شیبا کو تلاش کر سکتا تھا۔

پھر بھی عمران نے دو پہر وہیں بس اسٹینڈ میں بیٹھے بیٹھے دوست سانپ کا انتظار کیا کہ شاید وہ واپس آ جائے۔ جب دِن کے بارہ بج گئے اور سانپ

نہ آیا تو عمران نے اکیلے ہی اپنے خطرناک سفر پر روانہ ہونے کا فیصلہ کر لیا۔ وہ اُٹھا۔ اپنا سفری تھیلا کاندھے کے پیچھے باندھا اور اللہ کا نام لے کر اس پہاڑی سِلسلے میں داخل ہو گیا جس کے بارے میں اُسے سانپ نے بتایا تھا کہ وہیں کسی مقام پر خلائی مخلوق نے زمین کے اندر اپنی کمیں گاہ یا لیبارٹری قائم کر رکھی ہے۔ عمران عین نقشے کے مطابق چل رہا تھا۔ پہاڑی راستے میں اُسے کُچھ دور تک برازیل کے دیہاتی مکان نظر آتے رہے، اِس کے بعد آبادی کے یہ نشان بھی غائب ہو گئے۔

برازیل کے دارالحکومت میں عمران کو اس بات کا علم ہو چکا تھا کہ اِن پہاڑی علاقوں میں کہیں کہیں گھنے جنگلوں کے ٹکڑے بھی ہیں جہاں خوں خوار ریڈ انڈین کے قبیلے آباد ہیں۔ ان میں کُچھ ایسے قبیلے بھی ہیں جو بھولے بھٹکے مسافروں کو پکڑ کر اُن کا سر کاٹ ڈالتے ہیں اور پھر اُس سر کو گرم

ریت کی کڑاہی میں ڈال کر سکیٹر دیتے ہیں اور اِس کو گیند کی طرح اپنے جھونپڑے کے دروازے پر لٹکا دیتے ہیں۔ کُچھ جنگلی قبیلوں کے بارے میں عمران کو یہ بھی بتایا گیا تھا کہ وہ آدم خور ہیں اور سفر کرتے مسافروں پر گھات لگا کر حملہ کرتے ہیں اور پھر اُنھیں بھون کر کھا جاتے ہیں۔ طریقہ یہ ہوتا ہے کہ وہ بد قسمت مسافر کو زندہ حالت میں ہلکی ہلکی آنچ پر پکاتے ہیں اور ساتھ ساتھ کھاتے جاتے ہیں۔ یہ ساری ہولناک باتیں عمران کے ذہن میں تھیں۔ اور وہ اُن کا مُقابلہ کرنے کے لیے تیّار تھا۔

مگر اس کی کوشش یہی تھی کہ وہ اِن خون خوار جنگلی ریڈ انڈین قبیلوں کے علاقے سے بچ کر گزرے۔ سانپ کے بچھڑنے کا عمران کو بہت افسوس تھا۔ مگر اب اسے سفر میں پیش آنے والی تمام مُشکلوں اور مُصیبتوں کا اکیلے ہی مُقابلہ کرنا تھا اور شیبا کا بھی خود ہی سُراغ لگانا تھا۔ پہاڑی راستہ

ٹیڑھا میڑھا تھا۔ عمران کو بار بار نقشہ کھول کر دیکھنا پڑتا کہ کہیں وہ راستے سے بھٹک تو نہیں گیا۔ اسی طرح وہ دوپہر تک سفر کرتا رہا۔ پہاڑی سِلسِلہ اسی طرح سامنے پھیلا تھا۔ موسم خوش گوار تھا۔ کیوں کہ سورج بادلوں کے پیچھے چھُپ گیا تھا اور ٹھنڈی ہوا چلنے لگی تھی۔ لگتا تھا کہ بارش آنے والی ہے۔ مگر عمران آہستہ آہستہ چلتا گیا۔

دوپہر کے بعد اسے راستے میں پانی کا ایک چھوٹا سا چشمہ ملا۔ یہاں بیٹھ کر اُس نے کھانا کھایا، پانی پیا، مُنہ دھویا، تھوڑی دیر آرام کیا مگر بادلوں کا رنگ دیکھ کر وہ آگے چل پڑا۔ بارش آنے سے پہلے پہلے وہ کسی محفوظ جگہ پہنچ جانا چاہتا تھا۔ ابھی سورج غروب نہیں ہوا تھا کہ ہلکی ہلکی بوندا باندی شروع ہو گئی۔ سورج سیاہ بادلوں کے پیچھے مغرب کی طرف جھُکنے لگا تھا۔ عمران رات گزارنے کے واسطے کوئی مناسب جگہ تلاش کرنے لگا۔ یہاں چھوٹی

چھوٹی پہاڑیاں تھیں جو چٹّانوں کی طرح بالکل سیدھی چلی گئی تھیں۔ اِن کی ڈھلانوں پر ٹھِگنی ٹھِگنی جھاڑیاں اُگی ہوئی تھیں۔ ایک طرف چھوٹی سی ڈھلان تھی جو نیچے کیلیے اور آبنوس کے درختوں کے ایک جھُنڈ تک چلی گئی تھی۔ اس جگہ کسی پرانے کھنڈر کا چبوترہ تھا۔ جس کے نیچے ایک چشمہ بہہ رہا تھا۔ عمران کو یہ جگہ رات بسر کرنے کے لیے بڑی مناسب معلوم ہوئی۔ کیوں کہ چبوترے کے اوپر پتھرّ کی چھتری بنی ہوئی تھی۔ عمران یہاں بارش سے بھی محفوظ رہ سکتا تھا۔

چناں چہ عمران ڈھلان سے اتر کر پرانے کھنڈر کے چبوترے پر آگیا۔ پتھرّ کی چھتری کے ستونوں پر عجیب عجیب قسم کے جنگلی جانوروں اور انسانی کھوپڑیوں کی شکلیں کندہ ہوئی تھیں۔ عمران نے اُن کی طرف کوئی دھیان نہ دیا اور تھیلا کمر سے اُتار کر ایک ستون کے پاس رکھا اور خود پاؤں پھیلا کر بیٹھ

گیا۔ اسے بڑا سکون محسوس ہوا۔ پھر نیچے اُتر کر چشمے پر گیا۔ پانی پیا، سر اور مُنہ دھویا اور چھتری کے نیچے آ کر بیٹھ گیا۔ بوندا باندی اسی طرح ہو رہی تھی۔ درختوں کی شاخوں پر بارش کی بوندیں گر رہی تھیں جس سے ہلکی ہلکی آواز پیدا ہوتی۔ دِن کی دُھندلی روشنی شام کے اندھیرے میں بدلنے لگی تھی۔ عمران نے پیچھے کی طرف دیکھا۔ درختوں کے درمیان ایک پتلی پگڈنڈی چلی گئی تھی جن پر سوکھے پتّے گرے ہوئے تھے۔ شاید آگے کوئی گاؤں تھا۔ عمران نے سوچا اور تھیلے میں سے ڈبل روٹی کے دو ٹکڑے اور اُبلے ہوئے انڈے نِکال کر کھانے لگا۔ اِس کے بعد اُس نے ریوالور کھول کر چیک کیا۔ اِس میں گولیاں اُسی طرح بھری ہوئی تھیں۔ ریوالور کو جیکٹ کی جیب میں رکھا اور بارہ دری کے ستون سے ٹیک لگا کر شیبا کے بارے میں سوچنے لگا کہ وہ ان پہاڑیوں میں کہاں قید ہو گی اور خلائی مخلوق

نے کس جگہ زیرِزمین اپنی خُفیہ کمیں گاہ بنا رکھی ہوگی۔ اس کمیں گاہ کا سُراغ لگانا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ لیکن عمران کے حوصلے بُلند تھے۔ اسے اپنے اللہ پر مکمّل بھروسا تھا اور اسے یقین تھا کہ وہ سانپ کی مدد کے بغیر بھی شیبا تک پہنچنے میں کامیاب ہو جائے گا۔

بجلی چمکی، بادل گرجے اور بارش کے موٹے موٹے قطرے گِرنے لگے۔ پتھرّ کی چھتری کی وجہ سے عمران بارہ دری کے اندر بارش سے بچا ہوا تھا۔ رات ہو گئی تھی۔ چاروں طرف اندھیرا چھا گیا تھا عمران دِن بھر کے پیدل سفر کا تھکا ہارا تھا۔ اسے نیند آنے لگی تھی۔ بارہ دری میں ہی اپنے سفری تھیلے پر سر رکھ کر لیٹ گیا اور آنکھیں بند کرلیں۔ پھر اُسے کوئی ہوش نہ رہا۔ جانے وہ کتنی دیر تک ہوتا رہا ہو گا کہ اچانک اس کی آنکھ کھُل گئی۔ اسے محسوس ہوا کہ اُس نے کوئی آواز سُنی تھی۔ بارش رُک چکی تھی۔ کبھی کبھی

درخت کی شاخوں میں بارش کے رُکے ہوئے قطروں کے گِرنے کی آواز آ جاتی تھی۔ اسے کسی انسانی قدموں کی آہٹ سُنائی دی۔ جیسے کوئی گیلی زمین پر احتیاط سے قدم رکھ رہا ہو۔ عمران جلدی سے اُٹھ بیٹھا۔ ریوالور ہاتھ میں لے لیا اور اندھیرے جنگل میں جِدھر سے آواز آئی تھی اُدھر آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر تکنے لگا۔ اسے کُچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ اس کے دِل کی دھڑکن تیز ہو گئی تھی۔ پھر کھٹک کی آواز پیدا ہوئی اور ایک تیر سَن کی آواز کے ساتھ اس کے سر کے اوپر سے گزر گیا۔ ساتھ ہی اندھیرے میں سے ایک ریڈ انڈین جنگلی نے نکل کر کلہاڑی سے عمران پر حملہ کر دیا۔ عمران نے اوپر تلے ریوالور کے تین فائر کر دیے۔ جنگل گولیوں کے دھماکوں سے گونج اُٹھا۔

******

پھر کیا ہوا؟ یہ آپ اگلی کتاب میں ملاحظہ فرمائیے جس کا نام ہے۔

"خلائی سُرنگ سے فرار"